www.iqbalkalmati.blogspot.com

روح کے رشتے
اور مقتول کی بدروح

جُرم اور سراغرسانی کی دو طویل اور سچی کہانیاں

احمد یار خان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روح کے رشتے

تھانے میں اگر نوجوان لڑکے یا لڑکی کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ آتے تو تھانے والوں کو پہلا خیال یہ آتا ہے کہ لاپتہ ہو جانے میں لڑکے یا لڑکی کی مرضی شامل ہے۔ میرے پاس تقریباً اٹھارہ سال عمر کے ایک نوجوان سلیم (اصل نام بھول گیا ہوں) کی گمشدگی کی رپورٹ آئی تو میں نے سب سے پہلے اُس کے چال چلن کے متعلق پوچھا پھر وہ وجوہات معلوم کرنے کی کوشش کی جن کی بنا پر نوجوان لڑکے گھروں سے بھاگ جایا کرتے ہیں۔ مثلاً باپ کا ظالمانہ سلوک، سوتیلی ماں، سینما دیکھنے کا ایسا نشہ جو ہیرو بننے کا نشہ بن جایا کرتا ہے وغیرہ۔

یہ اُس اچھے وقت کا واقعہ ہے جب سینما ہال صرف بڑے شہروں میں تھے اور وہ بھی بہت کم۔ قصبوں کے نوجوان ابھی فلمی غلاظت سے محفوظ تھے۔ معاشرے میں شرم و حجاب موجود تھا۔ بدکار اور بدکردار لوگ بھی موجود تھے لیکن اتنے زیادہ نہیں جیسے آج کل ہیں کہ قابلِ اعتبار آدمی چراغ لے کر ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ یہ تفتیشی کہانی ایسے ہی ایک بدکار آدمی کی ہے۔

وہ قصبہ جہاں میں ایس۔ ایچ۔ او تھا، انگریز دور کے پنجاب کی اُس سرحد کے ساتھ تھا جو دِلی کی سرحد سے ملتی تھی۔ میں قصبے کا نام اور افراد کے اصل نام نہیں لکھوں گا، کیونکہ یہ لوگ پاکستان میں ہیں۔ وہ قصبہ بہت بڑا نہیں تھا۔ آبادی بھی آج کل کی طرح گنجان نہیں تھی۔ اُس زمانے میں ہر قصبے میں چند ایک سرکاری افسر ہُوا کرتے تھے ــــ سول ہسپتال کا ڈاکٹر، تحصیلدار، تھانیدار، ڈنگر ڈاکٹر، سٹیشن ماسٹر اور ایک زراعت انسپکٹر ہُوا کرتا تھا۔ میرے قصبے کا زراعت انسپکٹر آج کے پاک پنجاب کے ایک قصبے کا جو آج کل شہر بن گیا ہے، رہنے والا مسلمان احمد علی تھا۔ اُس کے ساتھ کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی لیکن میں اُس کے گھریلو حالات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے ناواقف تھا۔ وہ چونکہ سرکاری افسر تھا اس لئے میں اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اور یہ آدمی مجھے اس لئے بھی پسند تھا کہ خوشگوار مزاج رکھتا تھا ہنستا ہنساتا تھا۔

قصبے کے زراعت انسپکٹر کا کام یہ ہوتا تھا کہ ارد گرد کے دیہات کا دورہ کرتا رہے اور کسانوں، زمینداروں کو مشورے دیا کرے اور انہیں کاشتکاری کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش آتے تو اسے آسان کرے۔ اُس زمانے میں ٹریکٹر نہیں تھے، مصنوعی کھاد نہیں تھی اور فصلوں پر چھڑکنے والی دوائیاں نہیں تھیں اور زراعت کے محکمے میں افسروں کی بھرمار نہیں تھی، اس لئے کاشتکاروں کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی اور اناج اتنا پیدا ہوتا تھا کہ سنبھالا نہیں جاتا تھا۔ زراعت نے یہ ترقی کی تھی کہ دو تین نئی قسم کے ہل حکومت نے تیار کئے اور زراعت انسپکٹروں کو دیئے تھے کہ دیہات میں ان کی تشہیر کریں اور زمینداروں کو ان کا استعمال سکھائیں۔ انسپکٹروں کو اچھی قسم کے بیج بھی دیئے گئے تھے۔

زمیندار زراعت انسپکٹروں کے ممنون رہتے اور دورے کے دوران ان کی خاطر تواضع اور مٹھی چاپی کرتے تھے۔ یہ انسپکٹر جس پر چاہتے کرم نوازی کرتے تھے۔ احمد علی ایسا ہی ایک زراعت انسپکٹر تھا۔ ایک روز تھانے میں آیا۔ میں اُسے دیکھ کر خوش ہوا کہ گپ شپ ہوگی۔ میں بوریت محسوس کر رہا تھا، مگر احمد علی پریشانی کے عالم میں تھا۔ کہنے لگا ــــ "ملک صاحب! میرا جوان بیٹا لاپتہ ہوگیا ہے۔"

"کب؟"

"تین دن گزر گئے ہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "مجھے شک تھا کہ دادا دادی کے پاس چلا گیا ہوگا" ــــ اُس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر میرے آگے رکھتے ہوئے کہا ــــ "میں نے انہیں تار دیا تھا کہ سلیم اُن کے پاس آیا ہے؟ انہوں نے یہ تار دیا ہے۔ لڑکا ان کے پاس نہیں گیا۔"

"اس سے پہلے کبھی بتائے بغیر گھر سے غائب ہوا ہے؟"

"نہیں" ــــ اُس نے بتایا ــــ "اگر اس میں کوئی ایسی ویسی عادت ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ بُری عادتوں کی وجہ سے بھاگ گیا ہے۔ خجل خوار ہو کر آجائے گا۔"

"تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اُسے کسی نے اغوا کر لیا ہے؟" ــــ میں نے پوچھا ــــ "آپ کو کسی پر شک ہے؟"

وہ بے چین سا ہو گیا۔ کہنے لگا ــــ "شک یہی ہے لیکن میں کسی پر شک نہیں کر سکتا۔ میری کسی کے ساتھ اتنی دشمنی نہیں کہ وہ میرے جوان بیٹے کو اغوا کر لے۔ میری دشمنی ہو بھی کیا سکتی ہے! میں یہاں کا رہنے والا نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ڈیڑھ پونے دو سال سے یہاں ہوں۔ معلوم نہیں کب یہاں سے تبادلہ ہو جائے گا۔"

اُس نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ لڑکا جرأت مند ہے، ذہین ہے، شریف ہے، سچ بات کسی انگریز افسر کے مُنہ پر کہنے سے بھی نہیں ڈرتا۔ وہ تیس میل دُور ایک بڑے شہر میں کالج میں پڑھتا ہے۔ سیکنڈ ایئر میں ہے اور گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا ہے۔ شہر میں ہوسٹل میں رہتا ہے۔

"گھر سے پیسے یا زیورات غائب ہیں؟"

"نہیں" ــــ احمد علی نے جواب دیا ــــ "میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اُس میں ایسا کوئی عیب نہیں تھا کہ گھر سے پیسے یا زیور چُرا کر لے جاتا۔ وہ شام کے بعد اُوپر چھت پر سویا۔ میں، اُس کی ماں اور اُس کا چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن بھی چھت پر سوتے تھے۔"

"اُس کی چارپائی آپ سب سے دُور تھی؟"

"نہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "ساتھ تھی۔ صبح اذان کے وقت میری آنکھ کھُلی۔ دیکھا، وہ چارپائی پر نہیں تھا۔ میں نے کچھ خیال نہ کیا مگر صبح تک وہ نہ آیا۔ پھر سورج نکل آیا۔ تب مجھے پریشانی ہوئی۔ اُس کے دو دوست ہیں۔ اُن سے جا کر پوچھا۔ انہیں اُس کے متعلق کچھ پتہ نہیں تھا۔"

"کیا وہ صبح اتنی سویرے اُٹھنے اور سیر یا ورزش کے لئے باہر نکل جانے کا عادی تھا؟"

"نہیں" ــــ احمد علی نے بتایا ــــ "چھٹیوں میں وہ ذرا دیر سے ہی اُٹھا کرتا تھا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اُس شام اُس کی اپنی ماں کے ساتھ یا آپ کے ساتھ لڑائی یا ترش کلامی تو نہیں ہوئی تھی؟"

"بالکل نہیں" — اُس نے جواب دیا — "ماں کے ساتھ تو اس کی کبھی بھی ترش کلامی نہیں ہوتی۔"

لڑکا خوبصورت تھا

کوئی باپ نہیں کہتا کہ اُس کے لاپتہ لڑکے یا لڑکی میں کوئی عیب تھا یا یہ کہ اُس کا اپنا رویہ اپنی اولاد کے ساتھ اتنا بُرا اور اتنا سخت تھا کہ اُس کا کوئی بچہ تنگ آکر گھر سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے احمد علی سے کہا کہ وہ جو کچھ بتا رہا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکا خود نہیں گیا۔ دوسری صورت یہی ہے کہ اُسے کسی نے غائب کیا ہے اور ہو سکتا ہے اُسے قتل کر دیا گیا ہو۔ کوئی کسی کو بلاوجہ اغوا اور قتل نہیں کرتا۔ یہ انتقامی کارروائی ہوتی ہے اور انتقامی کارروائی بلاوجہ نہیں ہوتی۔ میں نے احمد علی سے کہا کہ یہ انتقامی واردات معلوم ہوتی ہے جو اُس کی یا اُس کے بیٹے کی کسی حرکت کے جواب میں کی گئی ہے، مگر اُس نے زور دے کر کہا کہ اُس کی کسی کے ساتھ ایسی دشمنی نہیں۔

اُس زمانے میں خرکار نہیں ہوتے تھے۔ خرکار پاکستان کی پیداوار ہے۔

میں نے احمد علی سے لڑکے کا حلیہ پوچھا۔

اس سے پتہ چلا کہ لڑکا خوبصورت تھا۔ اُس کی خوبصورتی اغوا کا باعث ہو سکتی تھی۔ بعض خوبصورت، گورے چٹے لڑکوں میں نسوانیت ہوتی ہے۔ ہمارے پڑوس میں مہاراجوں کی ریاستیں تھیں جن کے محلات کی اندر کی زندگی اور ماحول الف لیلہ کی خیالی داستانوں جیسا ہوتا تھا۔ مہاراجے محلات میں نہایت خوبصورت لڑکے رکھا کرتے تھے۔ یہ ضیافتوں میں دلکش لباس پہنے مہمانوں کو شراب وغیرہ پیش کیا کرتے تھے اور ان میں سے بعض لڑکوں کو خاص قسم کے رقص سکھائے جاتے تھے جن میں ایک "بیلی ڈانس" تھا جو عرب ممالک میں زیادہ مقبول

ہے بلکہ اسے عرب کے بادشاہوں اور تیل کی دولت سے اندھے شیخوں کی تخلیق اور تفریح کہا جاتا ہے۔ مہاراجے غیر ملکی مہمانوں، خصوصاً اپنے انگریز آقاؤں کو لڑکوں کا رقص اس حالت میں دکھایا کرتے تھے کہ لڑکوں کی کمر کے گرد براے نام کپڑا لپٹا ہوتا تھا اور بعض اوقات لڑکے بالکل برہنہ ناچتے تھے۔ روشنی مختلف رنگوں کی ہوتی تھی اور یہ رقص انگریز عورتیں زیادہ پسند کیا کرتی تھیں۔

مہاراجوں اور نوابوں کے لئے ایسے لڑکے پیش کرنا ایک کاروبار تھا۔ کبھی کبھار کوئی لڑکا اغوا ہو جاتا تھا۔ اگر اُسے کسی محل میں پہنچا دیا جاتا تو وہاں سے نکالنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ بعض والدین اپنے لڑکوں کو مُنہ مانگی قیمت اور ماہوار تنخواہ پر کسی مہاراجے کے ہاں ملازم کرا دیا کرتے تھے۔ مجھے یہ بھی شک ہُوا کہ لڑکا اسی مقصد کے لئے اغوا ہو گیا ہو گا لیکن یہ شک زیادہ دیر قائم نہ رہا۔ ایک تو لڑکے کی عمر اٹھارہ سال بتائی گئی تھی، دوسرے یہ کہ باپ کے کہنے کے مطابق لڑکا جرأت مند تھا۔ احمد علی نے کہا تھا — "اُس میں اخلاقی جرأت ہے" — ایسا نوجوان رقاص نہیں بن سکتا۔ تیسرے یہ کہ لڑکا رات اپنے کُنبے کے ساتھ چھت پر سویا تھا۔ وہاں سے اُسے اُٹھا لے جانا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُسے لاپتہ ہوتے تین دن گزر گئے تھے اس لئے موقعۂ واردات سے مجھے کوئی کُھرا کھوج نہیں مل سکتا تھا۔ ساون کے دن تھے۔ مینہ بھی خوب برسا تھا۔ مجھے اب اپنے تجربے اور دماغ سے کام لینا تھا۔

احمد علی کے ساتھ دو گھنٹے باتیں ہوتیں۔ میں نے اُس سے ایسی باتیں پوچھیں جن کی اُسے توقع نہیں تھی۔ وہ خود عقلمند آدمی تھا اور اچھا خاصا خوبرو تھا۔ اُس کی باتوں میں اثر اور شکل اور قدبُت میں کشش تھی۔ اتنی لمبی گفتگو اور میری جرح سے میں نے یہ رائے قائم کی کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور یہ انتقامی واردات ہے۔ احمد علی نے بے شک اس کے خلاف بات کی تھی مگر میں پولیس کی نظر سے اس واردات کو دیکھ رہا تھا۔ یہ مجھے اغوا اور قتل کی واردات معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکے کے مراسم کسی لڑکی کے ساتھ ہوں گے۔ رات کہیں ملاقات مقرر ہوئی ہو گی۔ وہ اپنے کُنبے کو سوتا چھوڑ کر گیا اور لڑکی کے لواحقین نے اُسے پکڑ لیا۔ اگر ایسا ہُوا ہے تو لڑکی مسلمانوں کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یا سکھوں کی ہوگی۔ ہندوؤں میں اتنی جرأت نہیں تھی۔

میں نے رپورٹ درج کر کے کاغذی کارروائی مکمل کر لی اور تفتیش شروع کر دی۔

کسی لڑکی کو چاہتا تھا

نفسیات کے ڈاکٹر جانتے ہیں کہ بعض نوجوان بڑے نیک اور بھولے بھالے لگتے ہیں لیکن وہ مجرمانہ رجحانات کو چھپائے رکھتے ہیں۔ جہاں انہیں موقع ملتا ہے وہ جرم کر گزرتے ہیں اور انہیں جاننے والے ماننا نہیں چاہتے کہ یہ جرم اس بھولے بھالے لڑکے نے کیا ہے۔ احمد علی کا بیٹا سلیم اُس کی راستے کے مطابق شریف تھا لیکن بھولا بھالا اور سیدھا سادا نہیں تھا۔ مجھے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ درپردہ وہ اُس کا چال چلن کیا تھا۔ وہ خوبصورت تھا اور اس میں جرأت بھی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق وہ اتنا شریف نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے اپنے ذرائع تھے جن سے مجھے صحیح رپورٹیں مل جایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ میں نے سلیم کے اُن دو دوستوں کو بلایا جن کا ذکر اُس کے باپ نے کیا تھا۔ دونوں سے الگ الگ پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے مجھے جو کچھ بتایا اس سے میں مایوس ہوا۔ صرف یہ بات میرے کسی کام آ سکتی تھی کہ جس شہر میں وہ کالج میں پڑھتا تھا وہاں ایک لڑکی کے ساتھ اُس کی محبت ہو گئی تھی۔ اُس کے دوستوں نے بتایا کہ مہینے میں وہ ایک دو دن کے لئے گھر آیا کرتا تھا اور ان کے ساتھ اس لڑکی کے متعلق باتیں کیا کرتا تھا۔ میرے کریدنے پر انہوں نے بتایا کہ سلیم اس لڑکی کے معاملے میں بہت جذباتی اور سنجیدہ تھا اور اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی محبت پاک ہے۔ لڑکی ایک گرلز کالج میں پڑھتی تھی۔

میں نے ان سے پوچھا کہ جس رات وہ لاپتہ ہوا تھا اُس شام یا اُس سے پہلے اُنہیں ملا تھا؟ — انہوں نے بتایا کہ اُن کی دوستی اتنی گہری تھی کہ وہ جب سے گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے آیا تھا، ہر روز ملا کرتے اور بہت دیر اکٹھے رہتے تھے۔

"تم نے اُس میں کوئی تبدیلی دیکھی تھی؟" — میں نے پوچھا — "وہ پریشان ہوگا؟ اداس ہوگا؟"

دونوں نے بتایا کہ انہوں نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی تھی۔ ہر روز کی طرح تھا۔ نہ پریشان تھا نہ اُداس۔ میں اُن کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ تفتیشی افسر کو اتنی جلدی مطمئن ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ صرف وہ لوگ جن کا واسطہ کبھی تفتیشی افسر سے پڑا ہے، جانتے ہیں کہ پولیس کس طرح بال کی کھال اتارا کرتی ہے۔ میں تو اس معاملے میں جنونی تھا۔ میں ان دونوں لڑکوں کے پیچھے پڑا رہا۔ میرا انداز دوستانہ تھا۔ ان سے ایک اور بات معلوم کر لی۔ وہ یہ تھی کہ لڑکی کے سلسلے میں اُسے کچھ پریشانی ہو گئی تھی لیکن اُس نے بتایا نہیں تھا کہ کیا پریشانی ہے۔ وہ کچھ چُپ چُپ سا رہنے لگا تھا۔

اُس کے ساتھ اُس کے باپ کے سلوک کے متعلق ان لڑکوں نے بتایا کہ بُرا نہیں تھا لیکن چند مہینوں سے وہ باپ کے خلاف ایسی باتیں کرنے لگا تھا جیسے وہ باپ سے خوش نہیں تھا۔ میں نے تہہ تک جانے یا باپ بیٹے کے تعلقات کے متعلق مزید معلومات لینے کی بہت کوشش کی، لیکن لڑکے اور کچھ نہ بتا سکے۔

"کیا وہ باپ کے خلاف باتیں کرتا تھا؟"

"نہیں" — ایک لڑکے نے بتایا — "وہ اتنا اوچھا نہیں تھا۔ اُس نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ اُس کے اشاروں سے پتہ چلتا تھا کہ باپ کے ساتھ اس کا کوئی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔"

انہوں نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ قصبے میں یا محلے میں اُس کے تعلقات کسی لڑکی کے ساتھ نہیں تھے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ یہاں اُس کی کسی کے ساتھ دشمنی تھی؟ — انہوں نے کہا، وہ دشمنی پیدا کرنے والا لڑکا نہیں تھا۔

باپ بے خبر تھا

کالج بند تھے اس لئے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ ہو سکتا تھا کہ وہ شہر گیا اور وہاں سے لڑکی کو ساتھ لے کر کہیں اور چلا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسی ارادے سے گیا اور لڑکی کے بھائیوں وغیرہ نے پکڑ کر اُسے غائب کر دیا ہو۔ مجھے یہ شک بھی ہُوا کہ باپ کے ساتھ اختلاف کا باعث یہ لڑکی ہو گی۔ سلیم نے باپ سے کہا ہو گا کہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ باپ نے اُس کی خواہش رَد کر دی ہو گی۔ لڑکا لڑکی کے معاملے میں جذباتی تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر غلط قدم اُٹھا بیٹھا۔

میں نے ایک کارروائی یہ کی کہ ضلعے کے تمام تھانوں کو سلیم کا حُلیہ، عمر وغیرہ لکھ کر "اشتہارِ شور و غوغا" بھجوا دیا اور احمد علی کو بلایا۔ اُس سے پوچھا کہ اپنے بیٹے کے ساتھ اُس کا کیا اختلاف تھا۔ اُس نے کہا ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

"آپ نے اُسے کالج سے ہٹانے کی بات کی ہو گی؟"

"نہیں"—— احمد علی نے کہا —— "میں تو اُسے ایم۔ اے کرانا چاہتا تھا۔"

"وہ شہر کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا"—— میں نے کہا —— "آپ نے اُسے اجازت کیوں نہیں دی؟"

احمد علی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ بہت حیران ہُوا۔ کچھ دیر میرے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"آپ کو کس نے بتایا ہے؟"—— اُس نے کہا —— "میرے ساتھ اُس نے کبھی کسی لڑکی کی بات نہیں کی تھی۔ اگر اُس نے اپنی ماں سے کی ہوتی تو وہ مجھے ضرور بتاتی .... کون ہے وہ لڑکی؟"

"مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ شہر کے کسی کالج میں پڑھتی ہے"—— میں نے کہا —— "اور غالباً وہیں کی رہنے والی ہے۔"

احمد علی نے قسمیں کھائیں کہ اُسے اس لڑکی کے متعلق کچھ علم نہیں۔ اُس کی حیرت اور اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ حیرت کے عالم میں مجھ سے رخصت ہُوا۔ میں اُس کی بیوی سے ملنا چاہتا تھا۔ اُسے تھانے بلانا مناسب نہ سمجھا۔ احمد علی کو نہ بتایا کہ میں شام کے بعد اُس کے گھر آؤں گا۔

شام کا کھانا کھا کر میں اُس کے گھر چلا گیا۔ وہ جب مجھے اپنے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ دینے آیا تھا، اُس وقت اتنا پریشان نہیں تھا جتنا میں نے اُسے شام کے وقت دیکھا۔ اُس نے پریشانی کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ آپ نے لڑکی کا ذکر کر کے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ اگر میں شہر چلا جاؤں تو اتنے بڑے شہر میں اُسے یا لڑکی کو کہاں ڈھونڈوں گا۔ میں نے اُسے تسلی دے کر کہا کہ وہ اپنی بیوی کو میرے پاس بھیج دے۔ ہو سکتا ہے اسے کچھ پتہ ہو۔ اُس نے بتایا کہ وہ بیوی سے پوچھ چکا ہے۔ اُسے کچھ پتہ نہیں۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اُس کی بیوی سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔

رات، زیور اور سُرخی پوڈر

اُس کی بیوی آگئی اور وہ چلا گیا۔ میں نے حسبِ عادت اُس کے چہرے کو، پھر اُس کے سراپا کو غور سے دیکھا۔ پہلی چیز یہ دیکھی کہ وہ عمر کی نسبت جوان لگتی تھی۔ کشش والی عورت تھی۔ کمرے کا بلب ذرا مدھم روشنی کا تھا۔ اس روشنی میں چہرے سے صحیح عمر کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز یہ کہ اُس نے بڑے شوخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کانوں میں لمبے لمبے کانٹے اور گلے میں سونے کا ہار تھا۔ سونے کی چار چوڑیاں اور انگلیوں میں دو انگوٹھیاں تھیں۔ مُنہ پر پوڈر اور ہونٹوں پر ہلکی ہلکی لپ سٹک تھی۔ رات کے وقت اس لباس، اتنے زیور اور میک اپ کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہیں باہر جا رہی تھیں۔ یہ اہتمام اس لئے نہیں تھا کہ تھانیدار آ رہا ہے۔ میں تو بغیر اطلاع گیا تھا، اور وہ احمد علی کے اندر جاتے ہی آگئی تھی۔ وہ اتنی جلدی یہ تیاری نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ شاید باہر جا رہی تھیں"—— میں نے بے تکلفی پیدا کرنے کی خاطر مُسکرا کر کہا —— "میرا خیال ہے آپ جہاں جا رہی ہیں جائیں، میں آپ کا بہت سا وقت لُوں گا۔ کل سہی۔"

"نہ جی، میں تو کہیں بھی نہیں جا رہی"—— اُس نے کہا —— "آپ جتنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیر چاہیں بیٹھیں۔"

اچانک خیال آیا کہ یہ اس جوان بیٹے کی ماں ہے جو لاپتہ ہو گیا ہے اور ہو سکتا ہے وہ قتل ہو چکا ہو مگر اس ماں کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، چہرے پر گمشدہ بیٹے کی ماں والی اداسی نہیں تھی۔ یہ لباس اور میک اپ بھی غمزدہ ماں والا نہیں تھا۔ میں نے اُس کے بیٹے کے چال چلن کے متعلق پوچھا تو اُس نے بیٹے کی ویسی ہی تعریفیں کیں جیسی احمد علی نے کی تھیں۔ معلوم نہیں کیوں مجھے غصہ آگیا۔

"کیا آپ دل سے چاہتی ہیں کہ آپ کو بیٹا واپس مل جائے؟"۔۔۔ میں نے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں جی"۔۔۔ اُس نے گردن کو خم دے کر کہا۔۔۔ "وہ میرا بیٹا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہ ابھی آجائے۔"

"اگر مجھ سے اُس کی عادتیں اور دوسری باتیں چھپانے کی کوشش کریں گی تو آپ کو ابھی کیا کبھی بھی بیٹا نہیں مل سکے گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں جو پوچھوں وہ بالکل صحیح بتائیں۔۔۔۔ شہر میں اُس کے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات ہیں، کیا اُس نے آپ سے کبھی کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے؟"

وہ بھی احمد علی کی طرح حیران رہ گئی۔ اُس کا یہ ردِعمل بناوٹی نہیں لگتا تھا۔ اُس نے کہا کہ سلیم نے اُس کے ساتھ کبھی بھی کسی لڑکی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنی شادی کی بھی کبھی بات نہیں کی تھی۔

"آپ عورت ہیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "عورتوں کو محلے کے ایسے راز معلوم ہوتے ہیں جو مردوں کو معلوم نہیں ہوتے۔ یہاں کوئی لڑکی یا کوئی عورت ہے جس کے ساتھ سلیم کے تعلقات تھے؟ وہ کون ہے؟"

"اس محلے میں کوئی نہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "ہندوؤں سکھوں کے محلے میں ہو تو مجھے معلوم نہیں، لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ سلیم میں ایسی کوئی عادت نہیں۔ آپ سارے شہر سے پوچھ لیں۔ آپ کو سلیم کے خلاف

اگر انہیں پتہ چل گیا کہ یہ میں نے آپ کو بتائی ہے تو اس کی مجھے طلاق سے کم سزا نہیں ملے گی۔ اگر میں زبان بند رکھتی ہوں تو مجھے چھوٹے بچوں کے متعلق ڈر ہے۔"

میں نے اُسے اور زیادہ پیار سے یقین دلایا کہ میں احمد علی سے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ میرے پیار کا اُس پر یہ اثر ہوا کہ وہ میرے قریب سرک آئی اور میرا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ اُس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی تاثر تھا اور التجا بھی تھی۔ وہ بہت ہی خوفزدہ ہو گئی تھی اور میری پناہ چاہتی تھی۔

"دوسرے محلے میں ایک عورت ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "زمیندار خاندان کی ہے۔ ڈیڑھ دو مہینے گزرے، ایک روز وہ میرے پاس آئی تھی کہنے لگی۔۔۔ اپنے خاوند کو زنجیر ڈالو، ورنہ میرا مرد تمہاری لڑکی کو غائب کر دے گا۔۔۔ میری لڑکی کی عمر ابھی چھ سات سال ہے۔ میں نے اس عورت سے بہت پوچھا کہ بات کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ اپنے خاوند سے پوچھ لینا اور اسے بتا دینا جو میں تمہیں کہہ چلی ہوں۔"

اُس نے اس عورت کا جو خاندان بتایا تھا اُسے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ان کا باپ یا دادا فوج میں صوبیدار تھا۔ پنشن آیا تو فوج کی طرف سے اُسے پچیس ایکڑ کا ایک مربع ملا تھا۔ کچھ زمین پہلے سے تھی۔ وہ خوشحال زمیندار خاندان تھا۔ چونکہ یہ میرے قصبے کا خاندان تھا اس لئے میں اس کے دو بڑے آدمیوں کو جانتا تھا لیکن وہ دونوں لڑنے جھگڑنے والے نہیں تھے۔

احمد علی کی بیوی نے ایک مسلن کی زبانی اصل بات بتا دی۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اس کے دو تین چار روز بعد ایک مسلن آئی اور اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔۔۔ بی بی! ناراض نہ ہونا۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتی۔ چوہدرانی کا پیغام لاتی ہوں۔ اُس نے کہا ہے کہ تم نے اپنے خاوند سے وہ بات کہہ دی تھی یا نہیں جو میں تمہیں کہہ آئی تھی؟۔۔۔ مسلن نے اس عورت کی پہلی والی دھمکی سنائی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ مسلن نے رازداری سے بتایا کہ یہ جو عورت مجھے دھمکیاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے رہی ہے، اس کے خاوند کے بڑے بھائی کی بیوی میرے خاوند سے چوری چھپے ملتی ہے۔ ان کی ملاقات آج کل (گرمیوں میں) زراعت کے گودام میں ہوتی ہے۔ عورت کو وہاں دیکھا گیا ہے۔ اُس کا خاوند کچھ بوڑھا ہے اور عورت کی عمر اُس سے چودہ پندرہ سال کم ہے۔"

"آپ نے اپنے خاوند کے ساتھ بات کی تھی؟"

"کی تھی"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "انہوں (احمد علی) نے کہا کہ یہ خاندان مجھے رُسوا کر رہا ہے کیونکہ اُنہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں انہیں گندم کا بیج مُفت دلا دوں۔ اس کے علاوہ بھی یہ لوگ مجھ سے زراعت کا ایسا سامان مُفت مانگتے ہیں جو میں نہیں دے سکتا۔ یہ لوگ اتنے بے غیرت ہیں کہ انہوں نے مجھ پر یہ ذلیل الزام تھوپ دیا ہے۔"

"کیا آپ نے خاوند کی اس بات کو سچ مان لیا تھا؟"

اُس کی آہ نکل گئی اور اُداس سے لہجے میں بولی۔۔۔ "سچ ماننا ہی پڑتا ہے۔"

عورت شوباز تھی

میں اُس کی اُداسی اور آہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تاثر بلا وجہ نہیں تھا۔ اس نے بڑا ہی کارآمد سراغ دیا تھا۔ میں اس لائن پر سوچ رہا تھا کہ لڑکے کو انتقامی طور پر اغوا کیا گیا ہے۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ اُسے قتل کر دیا گیا ہے یا احمد علی سے یہ زمیندار کوئی شرط منوا کر لڑکے کو رہا کر دیں گے۔ میں نے احمد علی کی بیوی سے کہا کہ اُس نے مجھے اتنی نازک بات بتا دی ہے تو اب مجھ سے کچھ بھی نہ چھپاتے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ یہ کہتے ہوتے کہ خاوند کی بات کو سچ ماننا ہی پڑتا ہے، اداس کیوں ہو گئی ہے اور اُس کی آہ کیوں نکل گئی ہے۔

"اپنے بیٹے کے لئے پریشان ہوں"۔۔۔ اُس نے کہا۔

"احمد علی کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا ہے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "آپ مجھے دیکھ نہیں

رہے؟ وہ مجھے ہمیشہ اچھے کپڑوں اور زیور میں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

اُس کے ساتھ باتیں کرتے شاید ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تھا۔ میری آنکھیں پچیس نمبر کے بلب کی روشنی میں اچھی طرح دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ میں نے پہلے کہا ہے کہ وہ اٹھارہ سال عمر کے نوجوان کی ماں تھی لیکن عمر سے بہت کم لگتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میک اَپ اور مدھم روشنی کی وجہ سے وہ مجھے اتنی جوان لگتی ہے، مگر اب وہ میرے قریب سرک آئی تھی، میں نے اُسے غور سے دیکھا وہ واقعی جوان تھی۔

میں نے اچانک اُس سے پوچھا۔۔۔ "آپ کی عمر کیا ہو گی؟ خاصی کم معلوم ہوتی ہے۔"

"تیس نہ ہوتی تو بتیس سال ہو گی"۔۔۔ اُس نے گردن کو ذرا خم دے کر جواب دیا۔

"میں سمجھا کہ عورتیں اپنی عمر کم ہی بتایا کرتی ہیں۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں صحیح عمر پوچھ رہا ہوں"۔۔۔ اور ہنستے ہوتے کہا۔۔۔ "میں آپ کو بوڑھی عورت نہیں سمجھ رہا۔"

"میں نے دو سال پہلے ہی فالتو بتاتی ہے"۔۔۔ اُس نے ہنسی کا جواب بڑی پیاری ہنسی سے دیا۔۔۔ "اگر آپ کہیں تو میں پوڈر دھو ڈالتی ہوں، پھر دیکھ کر بتائیے گا کہ میری عمر کیا ہے۔"

میں نے پہلے کہا ہے کہ وہ جلدی بے تکلف ہو جانے والی عورت تھی اب میں نے یہ راستے قائم کی کہ یہ عورت باوقار نہیں سطحی اور شوباز (نمائش پسند) ہے۔

"معلوم ہوتا ہے ماں باپ نے آپ کی شادی بچپن میں ہی کر دی تھی"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اگر آپ کے لاپتہ بیٹے سلیم کی عمر واقعی اٹھارہ انیس سال ہے اور آپ کی عمر تیس سال ہے تو وہ اُس وقت پیدا ہوا تھا جب آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شادی گیارہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔"

میں نے نمایاں طور پر دیکھا کہ گھبراہٹ سے اُس کا چہرہ جیسے چھوٹا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا ہو۔ وہ گھبراہٹ کو چھپا نہ سکی۔ کہنے لگی ——"دراصل میری عمر پینتیس سال ہے" —— میں مسکرایا تو وہ اور زیادہ گھبرا کر بولی ——"دو چار سال اور زیادہ ہو گی"

میں اس کے چہرے، آنکھوں اور دانتوں کی چمک کو بڑی غور سے دیکھ چکا تھا۔ میں اس کے اور قریب ہو گیا اور دھیمی سی آواز میں پوچھا ——"مجھ سے کیا چھپانا چاہتی ہو؟ میں تمہیں صاف بتا دیتا ہوں کہ تم مجھ سے اپنی عمر نہیں، کچھ اور چھپا رہی ہو"

میں نے اسے 'آپ' کہنا چھوڑ دیا۔ اس کی عمر کے ساتھ میری تفتیش کا اور اس کے بیٹے کی گمشدگی کا کوئی تعلق نہیں تھا مگر اس نے جس بھونڈے طریقے سے اپنی عمر کم (یا صحیح) بتائی اور اس کے بعد بغیر حساب کئے اضافے کرنے لگی اس سے مجھے کچھ شک ہو گیا۔ اس کی گھبراہٹ اب اس کے ہاتھوں سے بھی ظاہر ہو رہی تھی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ یہ گھبراہٹ کی انتہا ہوتی ہے جس سے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ سلیم اس کا بیٹا نہیں۔ تیس سال کی عمر کی عورت کا بیٹا اٹھارہ انیس سال کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ میں دیکھ رہا تھا کہ اسے سلیم کی گمشدگی کا کوئی غم نہیں جس ماں کا جوان بیٹا لاپتہ ہو جاتے اور جسے یہ دھمکی بھی ملی ہو کہ اپنے خاوند کو زنجیر ڈالو ورنہ تمہاری بچی کو غائب کر دیں گے تو اسے اس خوف سے پاگل ہو جانا چاہیئے تھا کہ اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں نے اس میں ایسی کوئی تڑپ اور بے چینی نہ دیکھی۔

"میں تمہارے خاوند کو اندر بلا لوں گا اور یہ تمہارے لئے بہت بُرا ہو گا"—— میں نے کہا ——"میں تم دونوں کو تھانے لے جاؤں گا اور ساری رات پوچھ گچھ میں گزار دوں گا .... سچ بتاؤ، مجھ سے کیا چھپا رہی ہو۔ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہارے خاوند کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے سچ بتاؤ کہ سلیم تمہارا بیٹا ہے یا نہیں؟"

"نہیں"—— اس نے دبی زبان میں کہا ——"سلیم میرے خاوند کی پہلی

بیوی کا بیٹا ہے"

طلاق اور دوسری شادی

اس کے اس انکشاف نے مجھے روشنی دکھائی۔ یہ سلیم کی سوتیلی ماں تھی۔ سلیم اس کے بُرے سلوک سے گھر سے بھاگا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تک نہ دیکھی۔

"مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں؟"—— میں نے پوچھا ——"میں نے جب کہا تھا کہ سلیم اس وقت پیدا ہُوا ہو گا جب تمہاری عمر بارہ سال تھی تو اس وقت کیوں نہ بتا دیا کہ سلیم تمہارا بیٹا نہیں؟"

وہ آخر گھریلو عورت تھی، جرائم پیشہ نہیں تھی کہ ایک تھانیدار کا مقابلہ کر سکتی۔ میں نے اُسے بالکل ہی بے حال کر دینے کے لئے کہا ——"تم مجھ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکو گی۔ سلیم کے ساتھ تمہارا سلوک سوتیلی ماؤں جیسا تھا۔ اُسے تم نے اغوا کرایا ہے۔ مجھے محلے والے بتا دیں گے کہ اس کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا"

یہ چوٹ بھلا وہ کیسے سہہ سکتی تھی! اس نے پھر ہاتھ جوڑ دیئے، پھر ایک ہاتھ سے میری ٹھوڑی اور دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بھکاریوں کی طرح بولی ——"میں آپ کو یہ بات بھی بتا دیتی ہوں۔ آپ مجھے میرے خاوند سے بچاتے رکھیں"

میں نے پھر وعدہ کیا کہ میں اس کے خاوند کو پتہ نہیں چلنے دوں گا۔

"آپ محلے والوں سے پوچھ لیں کہ سلیم کے ساتھ میرا سلوک کیسا تھا"—— اس نے کہا ——"آپ کو ایک بھی گواہی میرے خلاف نہیں ملے گی۔ کسی کو یہاں یہ بھی معلوم نہیں کہ سلیم میرا بیٹا نہیں۔ آپ نے تو میری عمر پوچھ لی ہے۔ یہاں کسی نے میری عمر بھی نہیں پوچھی۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ سلیم کے ساتھ میرا سلوک سگی ماؤں جیسا ہے۔ آپ اسے شاید جھوٹ سمجھیں کہ کوئی سوتیلی ماں سوتیلے بیٹے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتی ہے، لیکن میرے اچھے سلوک اور پیار کی ایک وجہ ہے۔ اس کے عوض مجھے اپنے خاوند کا پیار ملتا ہے اور وہ میری ہر فرمائش پوری کرتا ہے۔ یہ زیور اور یہ کپڑے انہوں نے خود مجھے لے کے دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ ہر وقت بنی ٹھنی رہا کرو۔ مجھے ان کی مار پٹائی کا ڈر نہیں۔ مجھے ان کی صرف ناراضگی کا ڈر ہے۔ انہوں نے مجھے جہنم سے نکال کر جنت دی ہے۔"

"احمد علی کی پہلی بیوی مر گئی ہے یا اُسے اس نے طلاق دے دی تھی؟"

"طلاق دی تھی"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "شادی کے تیسرے سال طلاق ہو گئی تھی۔"

"کیا وجہ ہوئی تھی؟"

"یہ کہتے ہیں کہ وہ بدچلن تھی"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "لیکن بات کچھ اور تھی۔"

اُس نے بات یہ سنائی کہ یہ عورت (سلیم کی سوتیلی ماں) احمد علی کے قصبے سے چار پانچ میل دُور ایک گاؤں کی رہنے والی تھی۔ اس کے ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے اور اسے ماموں نے پالا تھا۔ اس کے ساتھ ممانی کا سلوک بہت بُرا تھا۔ وہ اس سے گھر کے سارے کام کراتی اور ذرا ذرا سی بات پر اسے مارتی پیٹتی تھی۔ لڑکی خوبصورت تھی۔ مار پٹائی اور پیار کی محرومی میں جوان ہوئی۔ اب ممانی اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ لڑکی کا ماموں زراعت کے محکمے میں تھا اور احمد علی بھی اسی محکمے میں تھا۔ ماموں نے لڑکی کا رشتہ احمد علی کو دے دیا۔ لڑکی کو بتایا ہی نہ گیا کہ جس کے ساتھ اُسے بیاہا جا رہا ہے وہ عمر میں اس سے بہت بڑا ہے اور وہ ایک بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔

اس لڑکی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جہنم سے چھوٹ گئی۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال ہو گئی تھی۔ اس نے خاوند کو دیکھا تو اس کی عمر تیس سال سے اُوپر تھی لیکن احمد علی خوبرو اور خوش طبع آدمی تھا اس لئے لڑکی کو بہت اچھا لگا۔ احمد علی نے اسے ایک سال کی عمر کا ایک بچہ دیا اور اُسے بتایا کہ یہ اس کی پہلی بیوی

سے بچہ ہے اور اُس نے اس بیوی کو بدچلنی کی وجہ سے طلاق دے دی ہے۔ احمد علی نے اُسے کہا کہ وہ بچے کو اپنا بچہ سمجھے اور جب یہ بڑا ہو جائے تو اسے پتہ نہ چلنے دے کہ اس کی ماں کوئی اور ہے۔ احمد علی نے اُسے کہا کہ اس کے عوض اُسے بہت پیار ملے گا اور وہ شہزادیوں کی طرح رہے گی۔

یہ لڑکی چونکہ خوبصورت تھی اس لئے احمد علی نے اسے دِل پیار دیا۔ لڑکی تو یہ سمجھتی تھی کہ زندگی مار پٹائی اور دھتکار کا نام ہے لیکن احمد علی نے فی الواقع اسے شہزادی بنا دیا۔ وہ احمد علی کی دل و جان سے غلام ہو گئی اور اس نے سلیم کو اپنے بچے کی طرح گود میں لے لیا۔ وہ سُسرال میں جب محلّے کی عورتوں سے ملنے جُلنے لگی تو عورتوں نے اسے بتایا کہ بدچلن وہ لڑکی نہیں تھی بلکہ احمد علی خود تھا۔ وہ بڑے اچھے خاندان کی لڑکی تھی۔ شادی کے چھ سات ماہ بعد ہی لڑکی نے محسوس کر لیا کہ احمد علی کی توجہ کہیں باہر ہے۔ کسی طرح اُسے پتہ چل گیا کہ احمد علی کا میل جول بدکار عورتوں کے ساتھ ہے۔ اس سے ان میں ناچاقی شروع ہو گئی۔

لڑکی کا باپ اور بھائی احمد علی کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہے مگر احمد علی نے اپنی روش نہ چھوڑی۔ پھر اُن کا پہلا بچہ پیدا ہُوا۔ اب ان میں لڑائی جھگڑا روزمرّہ ہونے لگا۔ لڑکی سُسرال سے غائب رہنے لگی، پھر طلاق ہو گئی۔ لڑکی بچہ ساتھ لے گئی تھی لیکن اُسی روز لڑکی کا باپ بچے کو اٹھاتے ہُوئے آیا اور احمد علی کے گھر پھینک کر چلا گیا۔ بچے کو دادی پالتی رہی، پھر احمد علی نے موجودہ بیوی کے ساتھ شادی کر لی۔

"میں نے سب کچھ سُنا اور چُپ رہی"۔۔۔ احمد علی کی بیوی نے مجھے سُنایا۔۔۔ "میں نے بھی دیکھا کہ ان کا تعلق باہر کی عورتوں کے ساتھ ہے۔ میں نے ایک روز شکایت کی تو یہ کہنے لگے کہ میرے گھر کی اور میری مالک تم ہو۔ تم جو چاہتی ہو میں پورا کر دیتا ہوں۔ تمہارے پاس پیسوں کی بھی کمی نہیں۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔ اُن کی پہلی بیوی کے تو ماں باپ اور بھائی تھے جنہوں نے اُسے پناہ میں لے لیا۔ میرا کون ہے؟ ماموں اور ممانی نے گھر سے ایسا رخصت کیا کہ کبھی مجھ سے ملنے نہ آئے۔ میرے دو بچے پیدا ہُوئے تو بھی نہ آئے۔ میں نے دل پر پتھر رکھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیا لیکن انہوں نے مجھے پیار بھی دیا اور پیسہ بھی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ مجھے اپنے اوپر پردہ دُلواتے رکھنے کی اُجرت دے رہے ہیں لیکن میں مجبور ہوں۔ اگر یہ مجھے بھی طلاق دے دیں تو میں کہاں جاؤں گی؟....

"ان کے پہلے سُسر نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان کا تبادلہ گھر سے بہت دور کرا دیا۔ میں ان کے ساتھ رہی۔ پھر ان کا تبادلہ ہوتا ہی رہا۔ انہیں ترقی مل گئی لیکن ہم گھر سے دُور ہی دُور رہتے گئے۔ میرے دو بچے پیدا ہوئے۔ سلیم بڑا ہو گیا۔ اسے میں نے پتہ نہ چلنے دیا کہ میں اس کی سگی ماں نہیں۔ یہ جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے کسی نہ کسی عورت کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے....

"آخر ہم یہاں آ گئے۔ سلیم اٹھارہ سال کا ہو گیا اور کالج میں جا داخل ہُوا۔ مجھے ماں سمجھتا رہا۔ خدا کی قسم، میں نے کبھی بھی اسے سوتیلا بیٹا نہیں سمجھا۔ کچھ عرصے سے باپ سے کھچا کھچا رہنے لگا تھا۔ میں نے ایک بار اُسے کہا کہ وہ جوان ہو گیا ہے اور اسے باپ کا سہارا بننا ہے مگر وہ باپ کے ساتھ ناراض رہنے لگا ہے۔ اس نے مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہا کہ ابا جان کی کرتوت نے ہمیں بدنام کر رکھا ہے۔ میں نے اس کے ابا جان سے اس کا ذکر نہ کیا۔ مجھے بالکل معلوم نہیں کہ جس شام وہ غائب ہُوا ہے اُس روز اس کی اپنے باپ کے ساتھ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تھی یا نہیں۔"

"جس زمیندار خاندان کی عورت نے تمہیں دھمکی دی تھی، اُس کے متعلق تم نے کسی سے پوچھا تھا کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"یہ بات بالکل سچ ہے" — اس نے جواب دیا — "میں نے اِدھر اُدھر سے پتہ کرایا تھا۔ عورتوں نے مجھے بتایا ہے کہ اس خاندان کی ایک عورت میرے خاوند سے چوری چھپے ملتی ہے۔ عورتوں نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے خاوند کو سمجھاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خاندان کے مرد اُسے کوئی نقصان پہنچا جائیں۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

گودام کے پچھلے دروازے سے اندر جاتی تھی

احمد علی کی بیوی کے ساتھ اس کے علاوہ جو باتیں ہوئیں وہ آپ کے لئے دلچسپ نہیں ہوں گی۔ اس کے انکشاف نے مجھے اس راستے پر ڈال دیا کہ سلیم کو اس زمیندار خاندان نے انتقاماً اغوا کیا ہے اور اب تک وہ زندہ نہیں ہو گا۔ میں نے اس شک کو بھی ذہن میں رکھا کہ احمد علی کی اس بیوی نے سلیم کو غائب کرایا ہو گا۔ ہر سوتیلی ماں اپنی اولاد کو جائیداد کا وارث بنانا چاہتی ہے۔ یہی نیت اس سوتیلی ماں کی ہو گی۔ مجھے اپنے مخبروں سے اس امکان کے متعلق بھی معلوم کرنا تھا۔

میں نے دوسرے دن نمبردار اور مسلّن کو تھانے بلایا۔ نمبردار سے احمد علی کے متعلق پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ بڑے بُرے چلن کا آدمی ہے۔ چالاک اور شیریں زبان ہے۔ اُڑتے پنچھی کو پکڑ لیتا ہے۔ زمیندار خاندان کی عورت کے ساتھ اُس کے تعلقات کی بھی نمبردار نے تصدیق کر دی۔ میں نے اُسے چند اور باتیں بتائیں اور کہا کہ ان کا جواب لاؤ۔

مسلّن کو الگ بٹھایا۔ غریب عورت نے مجھے پریشان نہ کیا۔ میں نے اُس کے آگے پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیا جو اُس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ اُس نے بتایا کہ زمیندار کی بیوی خوبصورت، جوان اور ہنسنے کھیلنے والی عورت ہے۔ اُس کا خاوند عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے اور اُس کا غلام بنا ہُوا ہے۔ اُس کی بیوی بڑی چالاک اور ہوشیار ہے۔ خاوند کی آنکھوں پر پٹی باندھے رکھتی ہے۔ احمد علی کو اپنے مکان سے کچھ دُور سرکاری طور پر ایک مکان ملا ہُوا تھا جسے اُس نے گودام یا سٹور بنا رکھا تھا۔ وہاں نئے نمونے کے ہل اور زراعت کا دیگر سامان پڑا رہتا تھا۔

اُس زمانے میں آبادی تھوڑی تھی۔ گرمیوں کی دوپہر لوگ گھروں میں دبک جاتے تھے۔ گرمی بڑی سخت پڑتی تھی۔ یہ عورت اکثر دوپہر کے وقت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گودام کے پچھلے دروازے سے اندر چلی جاتی تھی۔ اُسے دیکھ لیا گیا۔ اُس کے خاوند تک بات پہنچی تو بیوی نے اُسے ایسا رام کیا کہ وہ موم ہو گیا مگر اُس کے خاوند کا بھائی جوان اور دلیر تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ اپنی بیوی پر نظر رکھے مگر بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی بے عزتی کر دی۔ چھوٹے بھائی کی بیوی غیرت والی عورت تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اُن کی عورت پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح ہے اور اُس کا خاوند اسے غلط کہہ رہا ہے۔ وہ ایک روز احمد علی کی بیوی کے پاس چلی گئی اور اُسے بُرا بھلا کہہ آئی۔ پھر اُس نے مسلّن کو احمد علی کی بیوی کے پاس یہی پیغام دے کر بھیجا اور مسلّن دھمکی کا یہ پیغام دے آئی۔ احمد علی کی بیوی پریشان ہونے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔

میرا بھائی بے غیرت نکلا

مسلّن نے اپنا بیان یہیں پر ختم کر دیا مگر میں مطمئن نہ ہُوا۔ ہمارے دیہات میں چھوٹی ذاتوں کی بعض عورتیں بڑی خطرناک سازشوں میں شامل ہوتی ہیں۔ جاسوسی بھی کرتی ہیں۔ چوری چھپے کی ملاقاتیں بھی کراتی اور اپنی ہر فرمائش پوری کراتی ہیں۔

"اب میری بات سنو میری بہن!"— میں نے اُسے شفقت سے کہا— "تم نے مجھے یہ بات سُنا کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب باقی بات بھی سنا دو۔ دل میں کچھ نہ رکھو.... اس چوہدرانی اور احمد علی کی ملاقاتیں تم ہی کراتی رہی ہو نا؟"

"نہ کراتیں تو کھاتیں کہاں سے؟"— اُس نے کہا اور مجھے اُن کی ملاقاتوں کی تفصیل سُنا دی۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس پر کسی کو شک تک نہیں کہ وہ اس بدکاری میں شامل ہے۔

میں نے اُس سے پوچھا کہ اس چوہدرانی کے دیور کی بیوی نے جو دھمکی بھیجی تھی، کیا یہ خالی دھمکی تھی یا اُس کا دیور واقعی کچھ کرنا چاہتا تھا؟ مسلّن نے قسمیں کھا کر کہا کہ اُسے اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ میاں بیوی سخت غصّے میں ہیں۔ دونوں نے چوہدرانی اور اُس کے بوڑھے خاوند کے ساتھ بول چال بند کر دی ہے۔

دیور کی بیوی تو صاف کہتی تھی کہ احمد علی کے بچّے اُٹھوا دوں گی۔ اس کا خاوند بھی انتقام کی باتیں کرتا تھا لیکن کہتا تھا کہ اپنا بھائی اور بھابھی مل کر بے غیرت ہو جائیں تو وہ کیسے کسی کے آگے سر اُٹھا سکتا ہے۔

بہرحال بہت کریدنے کے باوجود مسلّن سے کچھ اور پتہ نہ چلا۔ میں نے اُسے مزید انعام کا لالچ دے کر کہا کہ وہ میرے لئے مخبری کرے۔ اُسے گھر بھیج دیا اور ایک کانسٹیبل کو بھیج کر چوہدری اور اُس کے چھوٹے بھائی کو تھانے بلایا۔ وہ جلدی آ گئے۔ میں نے پہلے بڑے بھائی کو جس کی بیوی کا تعلق احمد علی کے ساتھ تھا اندر بلایا اور اُسے صاف کہا کہ وہ احمد علی کا لڑکا واپس کر دے۔ اُس کا ردِعمل یہ تھا کہ اُس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اگر میں تھانیدار نہ ہوتا تو وہ میرے دانت توڑ دیتا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اُسے کہا کہ میرے پاس شہادت موجود ہے کہ احمد علی اُس کی عزت کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ احمد علی کی بیوی کو دھمکی دی گئی ہے کہ وہ اپنے خاوند کو باز کر لے ورنہ اُس کے بچّے اغوا کر لئے جائیں گے۔

اُس کے گھر میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ الگ بات تھی لیکن وہ خود باعزت آدمی بلکہ طرحدار آدمی تھا۔ اُس نے غصّے کا اظہار کیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو گالیاں دے کر بولا— "اُس کی بیوی میری بیوی سے جلتی ہے۔ اُس نے میرے بھائی کو میرے خلاف کر دیا ہے۔ بہت چالاک اور شیطان عورت ہے۔ اُس نے میری بیوی پر یہ الزام لگایا ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ بھائی کے ساتھ میری لڑائی ہو چکی ہے اور ہماری بول چال بند ہے۔ یہ دھمکی اُس نے یا اُس کی بیوی نے دی ہو گی۔"

اُسے باہر بھیج کر میں نے اُس کے چھوٹے بھائی کو اندر بلایا اور اُسے دوستانہ لہجے میں کہا— "کیوں بھائی! تمہارے گھر میں کیا فتور پیدا ہو گیا ہے۔ تم تو عزت دار لوگ ہو۔"

اُس نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی اور ایسی باتیں کیں جو میرے لئے بیکار تھیں۔ میں نے اُسے کہا— "زراعت انسپکٹر کے ساتھ کیا دشمنی پیدا ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئی ہے؟ سُنا ہے تم نے اُسے کوئی دھمکی بھیجی ہے۔"

"دھمکی میں نے نہیں میری بیوی نے بھیجی تھی"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔ "اُس نے مجھے بتا دیا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ تمہیں دھمکی نہیں دینی چاہیئے تھی۔ میں اپنے خاندان کی بے عزتی کا انتقام لے کر دکھاؤں گا۔ دھمکیاں دینا مردوں کا کام نہیں۔"

"اور تم نے انتقام لے کر دکھا دیا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"کہاں انتقام لیا ہے جی!"۔۔۔ اُس نے بلاجھجک کہا ۔۔۔ "خود اپنا بھائی دشمن ہو گیا ہے۔"

"سنو چوہدری!"۔۔۔ میں نے اُسے کہا ۔۔۔ "میں تمہاری عزت محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ لڑکا واپس کر دو۔ میں کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔"

اُس نے حیران ہو کر پوچھا ۔۔۔ "کون سا لڑکا؟"

میں نے اُسے بتایا اور پھر کہا کہ ابھی تمہارے بچنے کی گنجائش ہے۔ احمد علی کا لڑکا واپس کر دو۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔ آپ کو یہ شک ہے کہ میں نے اپنے بھائی کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے احمد علی کا بیٹا غائب کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ سے پتہ چلا ہے کہ احمد علی کا بیٹا غائب ہے۔ میں جب بدلہ لوں گا تو کسی کا بیٹا غائب نہیں کروں گا۔ میں آپ کو صاف بتا دیتا ہوں کہ میں قتل سے نیچے کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ قتل یہ زراعت انسپکٹر ہو گا اور میرے بھائی کی بیوی ہو گی۔ میں نے یہی سوچا تھا مگر میرا بھائی بے غیرت نکلا۔ وہ کہتا ہے کہ تم میری بیوی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو کیونکہ تمہاری بیوی میری بیوی سے جلتی ہے۔"

"تو کیا یہ سچ ہے کہ تمہاری بھابھی کا میل جول احمد علی کے ساتھ ہے؟"

"جی، بالکل سچ ہے"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "اگر میرا بھائی میرا ساتھ دیتا تو آج آپ احمد علی اور میری بھابھی کے قتل کی تفتیش کر رہے ہوتے، مگر بھائی نے اُلٹا میری بے عزتی کر دی"۔۔۔ اُس نے رازداری سے کہا ۔۔۔ "بات یہ ہے ملک صاحب! یہ صحیح ہے کہ میرے بھائی اور اس کی بیوی کی عمر میں بہت فرق

ہے لیکن میرا بھائی بوڑھا تو نہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ وہ حُقّے میں چرس پیتا ہے اور بہت ہی پیتا ہے۔ چرس نے اُسے کھوکھلا کر دیا ہے۔ بیوی نے اس پر چڑیلوں کی طرح قبضہ کر لیا ہے۔ وہ حقّے میں اُسے چرس ڈال دیتی ہے اور خود موج کرتی ہے۔ میرا بھائی اُسی بات کو سچ مانتا ہے جو اُس کی بیوی کہتی ہے۔ بڑی اُستاد عورت ہے۔ میں آپ کو یہ بات بھی بتا دوں کہ میں اس زراعت انسپکٹر کی بیوی کو خود بھی خراب کروں گا اور اپنے مزارعوں سے بھی خراب کراؤں گا۔ آپ بیشک مجھے ابھی گرفتار کر لیں۔"

وہ واقعی دلیر اور صاف گو آدمی تھا۔ دیہات میں آج بھی لوگ یوں کرتے ہیں کہ اپنی بدکار بیوی یا بہن وغیرہ کو اور اُس کے آشنا کو موقع پر پکڑ کر قتل کر دیتے اور خود ہی تھانے آجاتے اور کہتے ہیں کہ غیرت سے قتل کیا ہے۔ مجھے یہ آدمی صاف نظر آیا۔ میں نے اُسے ازراہِ مذاق کہا کہ وہ مجھے یہ تفتیش مکمل کر لینے دے پھر کوئی انتقامی کارروائی کرے۔ اُس نے میرے مذاق کا جواب سنجیدگی سے دیا ۔۔۔ "مجھے نظر تو یہ آ رہا ہے کہ میرا بھائی، اُس کی بیوی اور احمد علی میرے ہاتھوں قتل ہوں گے۔"

اگر گودام میں پکڑے گئے تو...

میرا مسئلہ جوں کا توں رہا۔ میں نے اپنے علاقے کے نمبرداروں کو اطلاع بھجوا دی کہ وہ لڑکے کی لاش تلاش کریں اور اِدھر اُدھر سے کھُرا کھوج بھی ڈھونڈتے رہیں۔ دونوں چوہدریوں کے پیچھے بھی میں نے مخبر لگا دیئے۔ انہیں اپنی ڈیوٹی کا علم تھا۔ اس دوران احمد علی میرے پاس آتا رہا۔ میں نے ایک روز اُسے بٹھا لیا۔ چوہدری کا نام لے کر اُس سے پوچھا کہ اُدھر سے اُسے کوئی دھمکی ملی تھی؟۔۔۔ اُس نے بتایا کہ چوہدری کے چھوٹے بھائی نے دھمکی بھیجی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ یہ لوگ مجھ سے بیج اور زراعت کا کچھ سامان مفت مانگتے ہیں جو میں نہیں دے سکتا۔ میں نے تنگ آ کر اس شخص سے کہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ میں سرکاری افسر ہوں، اسے پکڑوا دوں گا۔

"اور اگر گودام میں آپ موقع پر پکڑے گئے تو کیا ہوگا؟"— میں نے کہا۔

وہ پریشان ہوگیا اور بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ کسی نے آپ کو دھمکی دی ہے؟"— میں نے پوچھا — "کیا آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ ان لوگوں نے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لئے آپ کا بیٹا اغوا کر لیا ہے؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے دراصل اس لئے یہ دھمکی مجھ سے پوشیدہ رکھی تھی کہ اس کا کردار بے نقاب ہوتا تھا۔

"آپ کے ایسے ناجائز تعلقات اور کہاں کہاں ہیں؟"— میں نے پوچھا — "میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ ایسے ہی کسی غیرت مند نے انتقامی طور پر آپ کے بیٹے کو غائب کر دیا ہے۔ مجھے بتائیں ورنہ میں کیس عدم پتہ قرار دے دوں گا۔ لڑکا آپ کے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے۔"

وہ سخت گھبرایا اور اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کا اتنا اچھا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ میں نے سوچا کہ گناہ خوبصورت انسانوں کو بھی مکروہ بنا دیتا ہے اور جرأت ختم ہو جاتی ہے۔

"مجھے ایک اور شک بھی ہے"— میں نے کہا — "ہو سکتا ہے آپ کا بیٹا اپنی ماں کے پاس چلا گیا ہو۔"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اب اُس کی حالت اور زیادہ بُری ہوگئی۔

"آپ نے میرے ساتھ جھوٹ پہ جھوٹ بولا ہے"— میں نے کہا — "مجھے آپ نے بندر سمجھ رکھا ہے کہ آپ کے اشاروں پر ناچتا رہوں گا، جیسے میرا دماغ ہے ہی نہیں۔ آپ جانتے کیا ہیں؟ ..... یہ کہ آپ کی کرتوت سے بھی پردہ نہ اٹھے اور آپ کو بیٹا بھی واپس مل جائے۔ کیا یہ غلط ہے کہ آپ کی پہلی بیوی نے آپ سے اس لئے طلاق لی تھی کہ آپ کے تعلقات دوسری عورتوں

کے ساتھ تھے؟"

"صحیح ہے"— اُس نے آہ لینے کے انداز سے جواب دیا۔

"آپ نے مجھ سے اتنی اہم بات چھپائے رکھی"— میں نے کہا — "آپ کو خود معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ لڑکا اپنی ماں کے پاس چلا گیا ہوگا۔"

"نہیں"— اُس نے جواب دیا — "وہ میری موجودہ بیوی کو اپنی ماں سمجھتا ہے۔ اس راز سے وہ واقف نہیں۔ اگر اُس کی ماں اُس کے سامنے آ جائے تو اُسے نہیں پہچانے گا اور اُسے ماں تسلیم نہیں کرے گا۔"

"میں یہ ساری کہانی سُن چکا ہوں۔"

"میری اس بیوی نے سُنائی ہوگی؟"— اس نے پوچھا۔

"تفتیش میں کر رہا ہوں، آپ نہیں کر رہے۔ آپ سوالوں کے جواب دیں۔ مجھ سے سوال نہ پوچھیں۔"

ایک آدمی ایک عورت

تھانے میں اور کئی کام تھے۔ کچھ اور وارداتوں کی تفتیش تھی۔ میں نے [illegible] اور مخبروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ کہیں سے کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ احمد علی نے میرے پاس آنا چھوڑ دیا۔ میں نے اس کیس کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

مجھے اطلاع ملی کہ سکول کالج کھل گئے ہیں۔ میں نے احمد علی کو بلایا اور اُسے کہا کہ وہ میرے اے۔ ایس۔ آئی کے ساتھ کالج والے شہر جائے۔ اے۔ ایس۔ آئی سے میں نے کہا کہ لڑکے کا ملنا تو مشکل ہے لیکن ہو سکتا ہے وہ خود گھر سے بھاگا ہو اور کالج میں آ گیا ہو۔ اگر نہیں آیا تو اُس کے ہم جماعت لڑکوں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔ احمد علی کو ساتھ بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ لڑکا کہیں سامنے آ جائے تو وہ اُسے شناخت کر لے۔

اے۔ ایس۔ آئی، احمد علی کو اور ایک کانسٹیبل کو ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری نگاہ میں یہ کیس میرے لئے پیچیدہ ہو چکا تھا۔ یہی ایک اُمید باقی رہ گئی تھی کہ لڑکی کا سراغ مل جائے۔ سلیم اس لڑکی کو کہیں بھگا لے گیا ہوگا یا لڑکی کے رشتہ داروں نے سلیم کو غائب کر دیا ہوگا۔

اگلے روز سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے میں تھانے کے برآمدے میں بیٹھا ایک کام میں مصروف تھا۔ محرّر نے مجھے کہا — "وہ آگئے ہیں" — میں نے دیکھا کہ اے۔ ایس۔ آئی، احمد علی اور کانسٹیبل آرہے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ اُس کی شکل وصورت سے ہی میں نے پہچان لیا کہ احمد علی کا بیٹا ہے۔ وہ میرے پاس آگئے اور میں نے انہیں بٹھا لیا

"بیٹا مل گیا احمد علی صاحب؟" — میں نے کہا۔

احمد علی کا چہرہ لٹکا ہوا تھا اور وہ بار بار تھانے کے پھاٹک کی طرف دیکھتا تھا۔ اُس نے دبی دبی آواز میں کہا — "ہاں ملک صاحب! مل گیا بیٹا۔"

اُس نے ایک بار پھر تھانے کے پھاٹک کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی اور ایک عورت کھڑی تھی۔ وہ شاید آگے آنے سے جھجک رہے تھے۔ میں نے کانسٹیبل سے کہا کہ اُن سے جا کر پوچھو کیا چاہتے ہیں۔

"مجھ سے پوچھو ملک صاحب!" — میرے اے۔ ایس۔ آئی نے کہا اور کانسٹیبل سے کہا — "انہیں یہاں لے آؤ" — پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا — "یہ عورت اپنے آپ کو اس لڑکے (سلیم) کی ماں کہتی ہے، اور اس کے ساتھ جو آدمی ہے وہ اس عورت کا خاوند ہے۔ یہ دونوں خود ہی ہمارے پیچھے آگئے ہیں۔"

"وہ اپنے آپ کو ماں کہتی نہیں، یہ ہے ہی میری ماں" — سلیم نے بڑی دلیری سے کہا — "اور میں اسی ماں کے ساتھ جاؤں گا۔"

میں نے احمد علی کی طرف دیکھا۔ وہ تو بالکل بُجھ گیا تھا۔

پولیس، بیٹا اور ماں

وہ میاں بیوی کانسٹیبل کے ساتھ میرے پاس آگئے۔ احمد علی کا سر جھک گیا جیسے مر گیا ہو۔ وہ میاں بیوی معزز اور بڑے اچھے خاندان کے لگتے تھے۔ میں نے انہیں بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آتے ہیں۔

"میں اپنے بیٹے کے پیچھے آئی ہوں" — اُس عورت نے کہا — "اور یہ میرے شوہر ہیں" — اور اُس کے آنسو بہنے لگے

میں اُن کا میزبان تو نہیں تھا کہ رسمی سی باتیں کرتا۔ مجھے تھانیداری ڈیوٹی پوری کرنی اور مفصل رپورٹ تیار کرنی تھی۔ میں نے سب کو الگ الگ بٹھا دیا اور اے۔ ایس۔ آئی سے رپورٹ لینے کے لئے اُسے دفتر میں لے گیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ کالج بند ہونے سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچ گئے۔ سلیم کا پتہ کرایا تو وہ مل گیا۔ احمد علی نے دوڑ کر اُسے گلے لگایا اور کہا کہ وہ غائب ہو گیا تھا، اُس کی ماں رو رو کر بُرا حال کر رہی ہے۔ سلیم اپنے باپ کو بے رُخی سے ملا اور بولا — "مجھے اپنی ماں مل گئی ہے جو اٹھارہ سالوں سے رو رہی ہے۔"

احمد علی بہت حیران ہُوا اور سلیم سے پھر کہا کہ وہ اُس کے ساتھ چلے لیکن سلیم نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں جائے گا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ مجھے اپنی ماں مل گئی ہے۔ اے۔ ایس۔ آئی نے اُسے کہا کہ اُسے اُن کے ساتھ چلنا پڑے گا کیونکہ تھانے میں اُس کی گمشدگی کی رپورٹ رجسٹر ہو چکی ہے اور کاغذوں کا پیٹ بھرنا ضروری ہے، پھر وہ جہاں جی چاہے چلا جائے مگر اے۔ ایس۔ آئی اور کانسٹیبل کے ساتھ چلنے کا وہ یہ مطلب لے رہا تھا کہ اُسے گرفتار کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ اُس نے اے۔ ایس۔ آئی کو بتانا شروع کر دیا کہ وہ کیوں گھر سے بھاگا ہے۔

اے۔ ایس۔ آئی نے پھر سمجھایا کہ اُسے گرفتار نہیں کیا جا رہا نہ اُس نے کوئی جرم کیا ہے۔ آخر اُس نے کہا کہ پرنسپل کے پاس چلو۔ احمد علی نے اُس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منت سماجت شروع کر دی اور وہ اپنے بیٹے کے آگے رو بھی پڑا مگر بیٹے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سلیم نے دو تین بار اُسے کہا ــــ "میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کو اپنا باپ تسلیم نہیں کرتا۔ مجھے اپنی ماں مل گئی ہے۔ اب وہی میرا باپ ہے۔"

پرنسپل کے پاس گئے تو اسے۔ ایس۔ آئی نے اسے تفصیل سے بتایا کہ وہ سلیم کو کیوں ساتھ لے جا رہے ہیں اور یہ گرفتاری نہیں۔ تھانے میں اس کا بیان لے کر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا، پھر یہ جہاں جانا چاہے چلا جائے گا۔ اس کے خلاف ایسی کوئی رپورٹ نہیں دی گئی کہ یہ گھر سے چوری کر کے بھاگا ہے یا یہ گاؤں میں کوئی اور جرم کر کے آیا ہے۔ پرنسپل نے سلیم سے پوچھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ کیوں نہیں جاتا۔ اُس نے پرنسپل کو ایک عجیب کہانی سُنا دی۔

پرنسپل کوئی بڑا ہی اچھا آدمی تھا۔ اُس نے اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ وہ اتنی آسانی سے اپنے کسی سٹوڈنٹ کو پولیس کے حوالے نہیں کرنے کا۔ اُس نے ایک ڈی۔ ایس۔ پی کے ساتھ ٹیلیفون سے بات کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی کے کہنے پر پرنسپل نے ٹیلیفون اسے۔ ایس۔ آئی کو دے دیا۔ اسے۔ ایس۔ آئی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو ساری بات سمجھائی پھر ڈی۔ ایس۔ پی نے پرنسپل سے کہا کہ لڑکے کو اس کے ساتھ جانے دے، لڑکے کے خلاف کوئی کیس نہیں۔

سلیم نے کہا کہ وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہے۔ پرنسپل نے بھی اسے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ وہ اسے اس کی ماں کے پاس لے جائے۔ اسے۔ ایس۔ آئی اسے اس کی ماں کے گھر لے گیا۔ ماں نے اپنے بیٹے کو پولیس کے ساتھ دیکھا تو وہ سخت گھبرائی۔ احمد علی ساتھ نہیں گیا تھا۔ ماں نے اپنے خاوند کو بلوا لیا۔ سلیم نے انہیں بتایا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ آخر سلیم کو اسے۔ ایس۔ آئی ریلوے سٹیشن لے گیا۔ احمد علی وہیں انتظار کر رہا تھا۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ماں اپنے خاوند کے ساتھ آ رہی تھی۔ وہ دونوں اسی گاڑی میں سوار ہو گئے جس میں سلیم کو لے جایا جا رہا تھا۔

باپ بیٹا اور چوہدرانی

میں نے سلیم کو اندر بلایا۔ وہ واقعی خوبصورت نوجوان تھا۔ اُس نے بیان دیا ــــ "میں نے باپ کی ہمیشہ عزت کی ہے اور اس کا ہر حکم مانا ہے لیکن میں جب بُرا بھلا سمجھنے کی عمر کو پہنچ گیا تو مجھے پتہ چلا کہ میرا باپ بدکار آدمی ہے۔ میری ماں (احمد علی کی دوسری بیوی) ہر وقت بنی ٹھنی رہتی تھی۔ میں اسے سگی ماں سمجھتا تھا لیکن بڑے ہو کر مجھے اس کا ہر وقت کا میک اپ اور نازنخرے اچھے نہ لگے۔ یہ بعض حرکتیں بازاری سی کرتی تھی۔ میری عمر سترہ سال ہو چکی تھی۔ اب تو میں سب کچھ سمجھنے لگا تھا۔ تین جوان عورتوں نے مجھے بڑے گندے پیغام بھیجنے شروع کر دیئے۔ ان میں ایک میرا راستہ روک لیا کرتی تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں کالج میں داخل ہوا اور شہر میں ہوسٹل میں رہنے لگا....

"میں مہینے میں ایک دو دنوں کے لئے گھر آیا کرتا تھا۔ ایک روز ایک عورت نے مجھے گلی میں روک لیا اور کہنے لگی ــــ 'بیٹا! خدا نے تمہیں عقل بھی دی ہے شکل بھی دی ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ یہ نہ بھولنا کہ اللہ جو دیتا ہے وہ واپس بھی لے لیا کرتا ہے اور ایک دن اللہ کے پاس واپس چلے جانا ہے۔ اپنے باپ کے راستے پر نہ چل پڑنا' ــــ میں تو اللہ کے راستے پر چل رہا تھا مگر مجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ میرے باپ کا راستہ کون سا ہے۔ وہ عورت میرے سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئی۔ اس کے بعد مجھے باپ کا راستہ نظر آنے لگا۔ یہ شخص عورتوں کا شکاری ہے۔"

سلیم نے اپنے باپ کی بدکاری کے دو تین واقعات سنائے اور اُس زمیندار کا نام لیا جس کی بیوی کا احمد علی کے ساتھ دوستانہ تھا۔ اُس نے کہا ــــ "اُس کا چھوٹا بھائی اپنے آپ کو بہت غیرت مند اور دلیر سمجھتا ہے۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ اپنے باپ کو سمجھاؤ کہ انسان کا بچہ بن جائے ورنہ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی لاش بھی نہیں ملے گی۔ مجھے اُس پر غصہ آگیا۔ مجھے پتہ چل چکا تھا کہ اس کے بھائی کی بیوی میرے باپ سے ملتی ہے اور کہاں ملتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں تم سے بہت چھوٹا ہوں مگر بات تم نے بہت چھوٹی کی ہے۔ میں اپنے باپ کا قصور مانتا ہوں لیکن وہ تمہارے بھائی کی بیوی کو اُس کے گھر سے اُٹھا کر تو نہیں لاتا۔ کیا تم لوگ اُسے اُس وقت نہیں روک سکتے جب وہ میرے باپ کے گودام میں آتی ہے؟....

"اُس نے میرے ساتھ گرما گرمی کی لیکن میں نے گرما گرمی سے ہی اُسے ٹھنڈا کر لیا۔ میں نے اُسے کہا کہ تم چوہدری لوگ دھمکیاں دیتے ہی رہ جاتے ہو اور تمہاری ناک کے نیچے تمہاری عزت اور غیرت برباد ہوتی رہتی ہے۔ جو کام تم نہیں کر سکے وہ میں کر کے دکھاؤں گا۔ اگر نہ کر سکا تو باپ کو قتل کر دوں گا لیکن تم وعدہ کرو کہ تم اپنی بھابھی کو قتل کر دو گے۔ دونوں اکٹھے پھانسی چڑھیں گے۔ وہ کچھ دیر میرے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا، پھر اُس نے مجھے گلے لگا لیا۔ کہنے لگا کہ تم بدکار باپ کے نیک لڑکے ہو۔ میں نے کہا کہ انتقام لینا ہے تو میرے باپ سے لینا، میری ماں اور میری چھوٹی بہن اور بھائی پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔"

جب اٹھارہ سال کی عمر کا یہ خوبصورت لڑکا بیان دے رہا تھا تو بار بار میرے دل میں آئی کہ اسے گلے لگا لوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی خوبصورتی جسمانی نہیں، روحانی تھی۔ اس کی باتوں میں جادو کا سا جو اثر تھا وہ دراصل اس کی روحانی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا تھا۔ کہتے ہیں کہ اولاد پر والدین کے اچھے یا بُرے اخلاق کا اثر ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اولاد اپنا راستہ خود بنا سکتی ہے۔ میں آج کل کے نوجوانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ سلیم نوجوان تھا مگر اُس نے اپنے سے دگنی عمر کے آدمی کا مُنہ پھیر دیا۔ اُس کی جرأت اُس کی روحانی پاکیزگی کی بدولت تھی۔ ضمیر پر گناہ کا بوجھ ہو تو کسی کا سامنا نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل کے نوجوان ایک دوسرے کے ساتھ آنکھ بھی ملانے سے ڈرتے ہیں۔ ان میں اخلاقی جرأت کی کمی ہے کیونکہ ذہنی لذت پرستی نے انہیں ضمیر

کا مجرم بنا رکھا ہے۔ کبھی کردار کی بلندی پر آئیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ میں کتنی زیادہ جرأت اور طاقت پیدا ہو گئی ہے۔

پولیس کا واسطہ مجرموں کے ساتھ پڑتا ہے لیکن تفتیش کے دوران بڑے اچھے لوگوں سے بھی تعارف ہو جاتا ہے۔ بعض کیس ختم ہوتے ہی ذہن سے اُتر جاتے ہیں، کچھ تھوڑا عرصہ یاد رہتے ہیں لیکن سلیم اُن چند ایک انسانوں میں سے تھا جنہیں میں کبھی نہیں بھول سکا اور باقی زندگی بھی نہیں بھول سکوں گا۔ آج بھی یوں لگتا ہے جیسے وہ میرے سامنے بیٹھا بیان دے رہا ہے اور مجھ پر ایسا اثر ہو رہا ہے کہ میں اسے کسی بھی بات پر روکتا نہیں اور مجھ میں جرح کی بھی جرأت نہیں۔

"کہتے ہیں کہ کوئی بیٹا باپ پر نکتہ چینی کی جرأت نہیں کر سکتا"—— سلیم کہہ رہا تھا —— "میں نے یہ جرأت کی۔ انہیں بتایا کہ چوہدری کا بھائی کیا کہتا ہے۔ والد صاحب نے ہنس کر کہا کہ یہ جاہل اور پسماندہ لوگ ہیں۔ انتقامی کارروائیوں پر آتے ہیں تو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ مجھ سے مفت بیج اور سامان مانگتے ہیں .... میرے پاس والد صاحب کے خلاف کچھ شہادت موجود تھی۔ مجھے اپنے دوستوں نے مذاق کے لہجے میں بتایا تھا کہ یہاں کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت میرے والد پر فریفتہ ہے۔ انہوں نے مجھے کچھ تفصیل بھی بتائی تھی....

"میں نے والد صاحب سے کہا کہ آپ اپنے بیٹے کو جھوٹ بولنا نہ سکھائیں اور نہ اسے یہ عملی سبق دیں کہ یوں اپنے گناہوں پر جھوٹ کا پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ والد صاحب نے مجھے غصے سے کہا کہ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ جو الزام مجھ پر تھوپ رہے ہیں وہ درست ہے۔ میں نے کہا —— جی، میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ اُس نے مجھے دھمکی دی ہے۔ اگر آپ ثابت کر دیں کہ الزام غلط ہے تو میں اُسے دھمکی نہیں دوں گا۔ کچھ کر کے دکھاؤں گا، پھر کسی پر جھوٹا الزام لگانے کی ان میں جرأت ختم ہو جاتے گی۔ —— مختصر یہ کہ والد صاحب کے ساتھ میری خاصی ترش کلامی ہوئی۔ میں نے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کے گناہوں کی سزا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کی اولاد کو نگل گی ....

"اُس روز کے بعد والد صاحب کے ساتھ میرا کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ میں مہینے میں ایک دو بار گھر جو آتا تھا وہ ماں اور چھوٹی بہن اور بھائی کے لئے آتا تھا۔ میں اسی عورت کو جو میرے والد صاحب کی بیوی ہے، اپنی ماں سمجھتا تھا۔ والد صاحب کے ساتھ میری بول چال بھی بند ہو گئی تھی۔ اس کا مجھے بہت دُکھ تھا۔ والد صاحب نے اپنے آپ کو نہ بدلا۔ ان چھٹیوں کا واقعہ ہے کہ مجھے دوستوں نے بتایا کہ میرے والد صاحب کا اور چوہدرانی کا سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔ دوپہر کے وقت میرے والد صاحب الگ کمرے میں ڈیڑھ دو گھنٹے سویا کرتے ہیں۔ ایک روز وہ اس وقت گھر سے اس طرح نکلے کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ میں نے دیکھ لیا۔ میں شک کی بنا پر باہر نکلا اور دیکھا۔ وہ گودام کی طرف جا رہے تھے ....

"میں دوسری طرف سے چلا گیا اور اُس گلی میں ٹہلنے لگا جس سے مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ عورت آیا کرتی ہے۔ وہ آ رہی تھی۔ میں نے یہ انتظار نہ کیا کہ وہ گودام میں چلی جاتے تو انہیں موقع پر پکڑوں۔ میں نے غلطی کی یا ہمت کی کہ چوہدرانی کو گلی میں ہی روک لیا اور اُسے کہا کہ واپس چلی جاؤ۔ وہ آخر چوہدرانی تھی۔ اکڑ گئی۔ مجھے یہ خطرہ محسوس ہُوا کہ یہ عورت مجھے ذلیل کرنے کے لئے شور مچا دے گی کہ میں نے اس پر دست درازی کی ہے۔ میں خطرہ اپنے سر لے چکا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میرا باپ گودام میں موجود ہے۔ میں یہ بھی کر سکتا تھا کہ تمہیں اندر جانے دیتا اور تمہارے خاوند اور اس کے بھائی کو یہاں بلا لیتا۔ میں نے تمہاری اور تمہارے خاندان کی عزت کا بہت خیال کیا ہے، اس لئے تم میری بات مان جاؤ اور یہاں سے چلی جاؤ۔ اگر تم باز نہ آئیں تو مردوں میں خون خرابہ ہو جائے گا ....

"جناب! میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ یہ عورت کس قدر بدکار ہے۔ اس نے میرے ساتھ محبت کا اظہار شروع کر دیا۔ میں دل میں خوش ہُوا کہ اس نے کوئی اور کارروائی نہیں کر ڈالی۔ میں نے اس کی محبت کو جو دراصل محبت نہیں بدی تھی، قبول کر لیا اور کہا کہ وہ میرے باپ سے تعلقات توڑ لے۔ وہ مان

گئی۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ جو خون خرابہ مجھے نظر آ رہا تھا وہ ٹل جائے۔ وہ واپس چلی گئی ....

"تین چار روز بعد میرے والد صاحب نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور بولے کہ تم میرے باپ بننے کی کوشش کر رہے ہو، اور تم مجھے بدکار کہتے کہتے خود اسی عمر میں بدکاری پر اُتر آئے ہو۔ آئندہ ایسی جرأت کی تو میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا .... میری عمر بہت تھوڑی ہے لیکن میں سمجھ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ چوہدرانی کے ساتھ والد صاحب کی ملاقات ہوتی ہو گی اور اُس نے انہیں بتایا ہو گا کہ میں نے اُسے روک کر واپس بھیج دیا تھا۔ والد صاحب نے مجھے جو بدکار کہا تھا اس سے میں یہ سمجھا کہ اس عورت نے انہیں یہ بتایا ہو گا کہ میں نے اس کے ساتھ دوستی لگانے کی خواہش ظاہر کی ہے ....

"میں تو پہلے ہی جلا بیٹھا تھا لیکن میں نے والد صاحب سے کچھ بھی نہ کہا۔ انہوں نے مجھے بُری طرح ڈانٹا لیکن میں خاموشی سے سُنتا رہا۔ انہوں نے جب میری جان چھوڑی تو میں اس چوہدرانی کے خاوند کے بھائی کے پاس چلا گیا اور اُسے بتایا کہ میں نے اُس کی بھابھی کو کس طرح راستے میں روک کر واپس بھیجا تھا اور اُس نے مجھے کیا کہا تھا۔ میں نے اُسے کہا — "آپ میرے بڑے بھائی اور باپ کی بجا ہیں۔ میں گستاخی نہیں کروں گا۔ جو کہہ رہا ہوں آپ کے خاندان کی عزت کی خاطر کہہ رہا ہوں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرا باپ آپ کی بھابھی کو اغوا کر کے گودام میں نہیں لاتا، وہ خود آتی ہے۔ میں اپنے باپ کے ساتھ بات کر چکا ہوں اور میری اس کے ساتھ بول چال بند ہو چکی ہے۔ آپ شاید مجھے آئندہ یہاں نہیں دیکھیں گے۔ میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی بے عزتی کا بدلہ صرف میرے باپ سے نہ لینا" — وہ بہت دلیر آدمی ہے لیکن میرے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا اور میں وہاں سے آ گیا ....

"میں نے پہلے ہی ارادہ کر رکھا تھا کہ گھر سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گا۔ رات کو ہم سب چھت پر سوتے۔ میں نے اپنی کتابیں اور کپڑے دن کو ہی اپنے سوٹ کیس میں ڈال لئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کے دو بجے ایک لاری گزرا کرتی ہے جو تازہ سبزیاں وغیرہ اُس شہر کو لے جاتی ہے جہاں میں پڑھتا ہوں۔ میں دو بجے سے پہلے چھت سے دبے پاؤں اُترا اور سڑک پر جا کھڑا ہُوا۔ لاری آگئی۔ میں اُس میں بیٹھا اور چلا گیا۔"

محبت جو روحوں میں اُتر گئی

میری تفتیش ختم ہو چکی تھی۔ لڑکا مل گیا تھا اور ثابت ہو گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے گیا ہے۔ اب یہ اس کے باپ کا کام تھا کہ اسے اپنے گھر لے جائے مگر میں نے یہ معلوم کرنا ضروری سمجھا کہ اُسے اصلی ماں کہاں سے مل گئی ہے۔

"یہ ان گرمیوں کی چھٹیوں سے تین چار مہینے پہلے کی بات ہے"۔۔۔ سلیم نے سنایا۔۔۔ "ہمارے کالج میں مباحثے (ڈیبیٹ) کا اہتمام کیا گیا جس میں تین اور کالجوں کے طلبا شریک ہُوتے۔ ان میں ایک گرلز کالج تھا۔ اس کالج سے دو لڑکیاں آئیں جن میں ایک ہندو لڑکی تھی اور دوسری مسلمان۔ اس کا نام زہرہ ہے۔ میں اپنے کالج کی طرف سے ڈیبیٹ میں شریک ہُوا۔ زہرہ بہت اچھا بولی اور یہ لڑکی ویسے بھی مجھے بہت اچھی لگی۔ بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔ ڈیبیٹ کے بعد چائے کا انتظام تھا۔ چائے کے دوران زہرہ میرے پاس آگئی اور میرے بولنے کی داد دینے لگی ....

"میں نے کسی لڑکی کے معاملے میں اپنی نیت کبھی بھی بُری نہیں کی، لیکن اس لڑکی کے متعلق میں آپ کو صاف بتاتا ہوں کہ اُس نے مجھ پر جادُو سا کر دیا اور میں کچھ ایسے محسوس کرنے لگا جیسے میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ بھی تھوڑی سی دیر میں میرے ساتھ بے تکلف ہو گئی۔ میری طرح وہ بھی سیکنڈ ایئر میں تھی۔ میں نے نیت کی بات کی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میری نیت

بالکل صاف تھی۔ زہرہ جب رخصت ہونے لگی تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہہ ہی دیا کہ کہیں ملنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ .... اُس نے ذرا سا بھی نہ سوچا۔ کہنے لگی کہ چھٹی کے وقت اُس کے کالج کے باہر اُسے ملوں ....

"وہ کالے بُرقعے میں رہتی تھی۔ وہ میرے دماغ پر چھا گئی۔ مجھے رات کو کسی بار خیال آیا کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر ہے جس سے مجھے شک ہوتا ہے کہ اسے میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ میں دوسرے دن اپنے کالج سے نکل کر اُس کے کالج کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ وہ باہر آئی تو مجھے دیکھ کر بہت تیز تیز چلتی میرے پاس آگئی۔ کہنے لگی کہ وہ تانگے پر گھر جایا کرتی ہے۔ میں تھوڑی دُور تک اُس کے ساتھ پیدل چلوں۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ جو بات مجھے اُس سے کہنی تھی وہ اُس نے کہہ دی۔ کہنے لگی ۔۔۔ 'میں نے اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا ہے؟ رات کو سوچتی رہی ہوں مگر یاد نہیں آیا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'۔۔۔ میں نے اُسے بتایا تو وہ خوشی سے بولی ۔۔۔ 'سچ؟ میں تو تمہیں یہاں کا سمجھ رہی تھی۔ ہم بھی اُدھر ہی کے رہنے والے ہیں'۔۔۔ اُس نے اپنے گاؤں کا نام بتایا۔ یہ گاؤں ہمارے آبائی قصبے سے چار پانچ میل دُور ہے ....

"حقیقت یہ ہے کہ نہ میں نے اُسے پہلے کبھی دیکھا نہ اُس نے مجھے۔ یہ ایک دوسرے کی محبت کا اثر تھا جو ہماری روحوں میں اُتر گئی تھی۔ ہماری ملاقاتیں بڑھ گئیں۔ میں تیسرے چوتھے روز اُس کی چھٹی کے وقت اُس کے کالج کے باہر جا پہنچتا اور ہم ایک باغ میں جا بیٹھتے۔ ہماری ملاقاتیں زیادہ نہیں ہوئیں ہم کُل چھ بار ملے۔ ساتویں بار گیا تو انتظار کے باوجود وہ کالج سے باہر نہ آئی۔ تمام لڑکیاں چلی گئیں۔ دوسرے دن بھی وہ نظر نہ آئی۔ میں کسی سے اس کے متعلق پوچھ نہیں سکتا تھا۔ اس کی بدنامی کا ڈر تھا۔ میری نگاہ میں وہ بڑی ہی نیک پاک اور معصوم لڑکی ہے ....

"میری حالت بہت بُری ہوتی۔ پڑھائی سے دل اُچاٹ ہو گیا۔ یہی خیال پریشان کئے رکھتا کہ زہرہ بیمار ہے۔ وہ کوئی غریب گھرانہ نہیں۔ اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والد صاحب گزیٹیڈ آفیسر ہیں۔ اُس کا لباس اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ اگر وہ امیر گھرانے کی نہیں تو اُس کا گھرانہ خوشحال ضرور ہے۔ اُس نے مجھے اپنے گھر کا پتہ اور راستہ وغیرہ بتا دیا تھا لیکن میں اُس کے گھر نہیں جا سکتا تھا ....

"چوتھے روز مجھے ہوسٹل کے پتے پر اُس کا خط ملا جس میں اُس نے لکھا کہ اُس کے چھوٹے بھائی نے جو دسویں جماعت میں پڑھتا ہے، اُسے میرے ساتھ باغ میں دیکھ لیا تھا۔ کسی غیر مرد کے ساتھ گھومنا پھرنا تو بہت بڑا جُرم تھا، اُس نے لکھا کہ برقعے کا نقاب اُٹھانا بھی اس کے والدین کی نگاہ میں گناہ ہے۔ میں نے بھی خیال نہ کیا کہ وہ باغ میں جا کر چہرے سے نقاب اُٹھا دیا کرتی تھی۔ اُس نے خط میں لکھا کہ اُس کے بھائی نے گھر جا کر ماں کو بتایا۔ ماں نے باپ کو بتایا۔ دونوں نے اُس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کون تھا۔ اُس نے میرا نام بتایا اور قسمیں کھائیں کہ ہم دونوں میں کوئی خرابی نہیں مگر باپ نے اسے دو چار تھپڑ مارے اور ماں نے یہ فیصلہ دیا کہ زہرہ کو کالج سے ہٹا لیا جائے، چنانچہ اُسے گھر میں قید کر لیا گیا۔ خط میں اُس نے ایسی جذباتی باتیں لکھی تھیں کہ میرا خون اُبلنے لگا۔ میں رویا بھی ....

"خدا نے مجھے بڑا مضبوط دل دیا ہے۔ میں اس وجہ سے بھی دلیر ہو گیا کہ میرے اور زہرہ کے تعلقات ایسے ویسے بھی نہیں تھے۔ میں رات بھر سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ مجھے زہرہ کے ماں باپ پر غصہ آنے لگا، لیکن افسوس اور شرمندگی اس پر تھی کہ زہرہ کو میری وجہ سے یہ سزا دی گئی ہے۔ سوچتے، کڑھتے اور غصے سے دانت پیستے رات گزر گئی۔ معلوم نہیں میرا دماغ خراب ہو گیا تھا یا روشن ہو گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ زہرہ کی ماں سے ملوں گا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤں گا کہ زہرہ بے گناہ ہے اور آپ اسے مجرم سمجھتے ہیں تو اس کی سزا مجھے دیں۔ میں اس شہر سے چلا جاؤں گا۔ زہرہ کو پڑھنے دیں۔ اس کے پڑھنے کا شوق تباہ نہ کریں ....

وہ مقدّس عورت تھی

"میں نے پروانہ کی کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ کالج جانے کی بجائے زہرہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ میں نے احتیاط یہ کی کہ زہرہ کے والد صاحب کے دفتر چلے جانے کے بعد گیا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ زہرہ کا چھوٹا بھائی سکول چلا گیا ہو گا۔ اس سے چھوٹا، زہرہ نے بتایا تھا کہ تیسری جماعت میں پڑھتا ہے۔ وہ بھی سکول چلا گیا ہو گا۔ میری ذہنی حالت صحیح نہیں تھی۔

میں نے دروازے پر دستک دی تو ایک عورت نے دروازہ ذرا سا کھولا اور پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا — 'خالہ جان! میں آپ کا بچہ ہوں، مجھے اندر آنے کی اجازت دیں۔ ایک ضروری بات کرنی ہے' — اُس نے دروازے کے پیچھے سے کہا — 'تم بیٹا شام کو نہیں آ سکتے؟ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے' — میں نے کہا — 'خالہ جان! میں مسلمان ہوں۔ گھبرائیں نہیں۔ آپ کی بیٹی زہرہ کے متعلق ایک بات ہے۔ مجھے اندر آنے دیں' ....

"یہ سُن کر اُس نے کہا، آجاؤ۔ میں نے دروازے سے اندر ہو کر زہرہ کی ماں کا چہرہ اچھی طرح دیکھا۔ میں نے اپنے اندر وہی اثر محسوس کیا جو زہرہ کو پہلی بار دیکھتے ہی مجھ پر ہُوا تھا۔ یہ اثر اُس کی آنکھوں میں تھا۔ میں بھول ہی گیا کہ میں یہاں اس عورت کی گالیاں اور کوسنے سننے آیا ہوں، اور یہ ڈر بھی دل سے نکل گیا کہ زہرہ کا باپ گھر ہُوا تو مجھے دھکے دے کر نکال دے گا۔ میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا کہ میں نے اس عورت کی آنکھوں میں اور اُس کے چہرے پر کیسی پاکیزگی دیکھی۔ یہ کوئی مقدّس عورت تھی۔ آپ اسے خوبصورت عورت کہیں گے۔ میرے دل میں آئی کہ اس عورت کے پاؤں پر سر رکھ دوں اور رو رو کر معافی مانگوں کہ اس کی بیٹی میری وجہ سے گھر والوں کی نظروں میں بدنام ہوتی ہے ....

"وہ بھی کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا سوچ رہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی۔ اچانک بولی ـــــ 'میری بیٹی کے متعلق کیا بات کرنے آئے ہو'ـــــ میں نے سر جھکا کر بات کرنے کی بجائے دلیری سے کہا ـــ 'خالہ جان! میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کی بیٹی نے اس کے سوا اور کوئی جرم نہیں کیا کہ وہ کبھی کبھی مجھ سے ملتی تھی۔ میرے سر پر قرآن رکھ دیں'۔ اُس نے کہا ـــ 'تم کیا سوچ کر اتنی دلیری سے اس گھر میں آ گئے ہو؟ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ زہرہ کا باپ گھر ہوتا تو تمہیں پولیس کے حوالے کر دیتا'۔ ـــ میں نے کہا ـــ 'آپ کو حق پہنچتا ہے کہ مجھے غنڈہ اور بدمعاش سمجھیں۔ میں یہ سوچ کر آیا ہوں کہ آپ نے اگر میری وجہ سے زہرہ کو کالج سے ہٹا دیا ہے تو میں اس شہر سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔ اپنی بیٹی کا شوق اور مستقبل تباہ نہ کریں'۔۔۔۔

"ہم ڈیوڑھی میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ مجھے کمرے میں لے گئی۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کو کالج میں داخل کرانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لڑکوں کے ساتھ سیر کرتی پھرے۔ بے اختیار میرے مُنہ سے بڑی اُونچی آواز میں نکلا ـــ 'خالہ جان! یوں نہ کہیں۔ آپ کی بیٹی لڑکوں کے ساتھ سیر کرنے والی نہیں'ـــ یہ آواز میرے دل کی گہرائی سے نکلی تھی، اس لئے اثر کر گئی۔ زہرہ کی ماں کے لہجے میں نرمی آ گئی۔ میں نے اُسے بتایا کہ زہرہ کے ساتھ میری ملاقات کس طرح ہوئی تھی۔ وہ بڑے تحمل سے سُنتی رہی۔ میرا خیال ہے کہ اُسے خوشی ہو رہی ہو گی کہ میں اُس کی بیٹی کو پاکباز ثابت کر رہا ہوں۔۔۔۔

"اُس نے کچھ باتیں کیں۔ میرا دل صاف تھا اور نیت پاک تھی، اس لئے میں پوری جرأت سے اُسے جواب دیتا رہا۔ ذرا دیر بعد اُس نے کہا ـــ زہرہ نے مجھے بتایا تھا کہ تم ہماری طرف کے رہنے والے ہو'ـــ میں نے اپنے شہر کا نام لے کر بتایا کہ میں وہاں کا رہنے والا ہوں، اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ میں نے زہرہ میں زیادہ دلچسپی لی۔ اُس نے محلّہ پوچھا۔ میں نے بتایا تو اُس نے ماں اور باپ کا نام پوچھا۔ میں نے یہ بھی بتا دیا۔ اُس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پوچھا کہ میرا باپ کیا کام کرتا ہے؟ میں نے بتایا کہ زراعت کے

محکمے میں ہیں اور اب فلاں جگہ اس محکمے کے انسپکٹر ہیں۔ اُس نے بے تاب سا ہو کر پوچھا ـــ 'اپنے نانا نانی کا نام بتا سکتے ہو؟'ـــ میں نے کہا وہ دونوں زندہ نہیں، وہ میری امّی کے بچپن میں ہی مر گئے تھے۔۔۔۔

"اس نے کہا ـــ 'تم اپنے ماں باپ کے سب سے بڑے بیٹے ہو؟ باقی بہن بھائی چھوٹے ہوں گے'ـــ میں نے جواب دیا کہ میں بڑا بیٹا ہوں اور میری ایک بہن سات آٹھ سال کی ہے اور اس سے دو سال چھوٹا ایک بھائی ہے۔ اس نے کہا ـــ 'تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اٹھارہ انیس سال کے لڑکے کی ماں تیس سال کی کس طرح ہو سکتی ہے؟'ـــ میں نے پوچھا، کیا آپ میری امّی کو جانتی ہیں؟ اُس نے کہا ـــ 'بہت اچھی جانتی ہوں۔ وہ تمہاری ماں نہیں ہو سکتی۔ میں نے تمہاری شرافت کو تسلیم کر لیا تھا مگر اپنے باپ کا نام بتا کر تم نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ تم بدکار باپ کے بیٹے ہو اور بدکار باپ کا بیٹا نیک نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

"میں اس بات پر حیران نہ ہُوا۔ وہ اُسی جگہ کی رہنے والی تھی اس لئے میرے والد صاحب کو جانتی ہو گی لیکن میں اُس کی اس بات پر حیران ہُوا کہ اٹھارہ اُنیس سال کے لڑکے کی ماں تیس سال کی نہیں ہو سکتی۔ میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میری ماں کو آپ نے نہیں دیکھا ہو گا۔ وہ سرخی پوڈر لگاتی ہے تو مجھ جیسی جوان لگتی ہے۔۔۔۔

رُوح کے رشتے

"میں جب زہرہ کی ماں کے سامنے بیٹھا تھا تو میں اپنی ماں کے متعلق سوچنے لگا مگر زہرہ کی ماں نے مجھے سوچنے نہ دیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں اُس کے قریب کرسی پر بیٹھا اور وہ پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اُس نے آہستہ آہستہ دونوں ہاتھ میری طرف کئے اور میرا چہرہ تھام کر زور سے اپنی طرف کیا۔ میرا سر اپنے سینے سے لگا کر وہ جو روتی ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اُس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے گھسیٹ کر اپنی گود میں ڈال لیا اور میرے سر اور گالوں کو چومنے نہیں چاٹنے لگی۔ میں پریشان ہو گیا....

"اُس نے اچانک مجھے اپنے جسم سے الگ کر کے پرے کر دیا اور بولی ——"معلوم ہوتا ہے تم اپنے باپ پر گئے ہو اور تم نے اپنی بہن کو شکار کیا ہے،" —— میں تو حیرت سے چپ ہو گیا بلکہ سُن ہو کے رہ گیا۔ اُس نے ایسی بات کہی کہ میرا جسم کانپ اُٹھا۔ اس نے کہا ——"تم میرے بیٹے ہو"—— پھر اُس نے مجھے اپنی طلاق کی کہانی سُنائی۔"

سلیم نے مجھے وہی کہانی سنائی جو میں آپ کو زراعت انسپکٹر احمد علی کی دوسری بیوی کی زبانی سُنا چکا ہوں۔ اُس کی پہلی بیوی نے جو سلیم کی اصل ماں تھی، سلیم سے کہا ——"میں شادی کو روحانی رشتہ اور خاوند کو مقدس انسان سمجھا کرتی تھی مگر تمہارے باپ نے مجھ پر ثابت کر دیا کہ بیوی خاوند کی لونڈی ہوتی ہے اور خاوند جو جی میں آتے کرے، اُسے بیوی روک نہیں سکتی۔ میں نے اپنے گھر میں ایمان اور کردار دیکھا تھا۔ میں نے تمہارے نانا کو بتایا۔ انہوں نے تمہارے باپ سے کہا کہ وہ کردار کے لحاظ سے ہماری سطح پر آجاتے، نہیں تو ہماری بیٹی کو آزاد کر دے۔"

سلیم نے اُسے کہا ——"امی جان! میرے کردار پر آپ کے خون کا اور آپ کی رُوح کا اثر ہے۔"

مختصر یہ کہ سلیم کو اپنی ماں مل گئی اور زہرہ اُس کے سامنے بہن کے روپ میں آئی۔ سلیم نے زہرہ اور اس کی ماں کی آنکھوں میں جادو کا جو اثر اور جو تقدس دیکھا تھا وہ خون کا اثر تھا، اور وہ روحوں کی کشش تھی۔ سلیم نے ماں کو بتایا کہ اس کا باپ کتنا بدکار ہے اور اُس کی بیوی جو سلیم کی ماں بنی ہوتی تھی، کھوکھلے کردار کی عورت ہے۔

سلیم نے ماں سے کہا کہ وہ اپنے باپ سے الگ نہیں ہو سکتا اور کبھی کبھی اُسے ملنے آجایا کرے گا۔ ماں نے اسے دلیوانہ وار پیار سے رخصت کیا۔ سلیم کو یہیں سے اپنے باپ اور اس کی دوسری بیوی سے گھن سی آنے

لگی۔ پھر اُسے زمیندار کی بیوی کے ساتھ اُس کے باپ کے تعلقات کا پتہ چلا۔ باپ کے ساتھ اُس کی جس طرح چپقلش چلی وہ میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔ اُس نے شہر میں جا کر ماں کو بتایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اُس کے پاس آنا چاہتا ہے۔

اس دوران زہرہ کے باپ کے ساتھ سلیم کا تعارف ہو گیا تھا۔ باپ نے سلیم کو قبول کر لیا اور اُسے یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ جب چاہے اُن کے پاس آجاتے۔ چنانچہ وہ باپ سے لڑ کر رات کو گھر سے غائب ہو گیا اور ماں کے پاس شہر چلا گیا۔ ماں نے اسے سینے سے لگایا اور اس کی تعلیم جاری رکھی۔ اُس نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس نہیں رہنا چاہتا۔

اُس کی ماں کو اندر بلایا۔ وہ واقعی خوبصورت اور باوقار عورت تھی۔ اُس نے وہی کہانی سنائی جو میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔ سلیم کی پہلی ملاقات کے متعلق اس نے کہا ——"جب یہ لڑکا میرے سامنے آیا تو مجھے دھچکا سا لگا اور ایسے محسوس ہُوا جیسے اس لڑکے کو میں جانتی ہوں۔ اس کی خوبصورتی میں مجھے کچھ اور بھی نظر آیا جسے میں سمجھ نہ سکی۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو معلوم نہیں میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی مگر سلیم کو دیکھ کر میرا غصہ پگھل گیا۔"

اس نے بتایا کہ کوئی تصور میں نہیں لا سکتا کہ میرا خاوند کتنا اچھا آدمی ہے اور مجھے کس طرح چاہتا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ سلیم اور زہرہ نے میری کوکھ سے جنم لیا ہے، اور میں نے انہیں یہ بھی کہا کہ اگر مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو میں اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھوں گی۔ وہ مان گئے۔

میں نے کاغذوں کا پیٹ بھرنے کے لئے سلیم، اُس کی ماں اور اُس کے باپ کے مختصر سے بیان لئے اور سلیم کے باپ احمد علی سے کہا کہ اب یہ پولیس کا کیس نہیں رہا۔ لڑکا واپس آگیا ہے۔ یہ لڑکی نہیں اور نہ نابالغ بچہ ہے۔ یہ جس کے پاس رہنا چاہتا ہے رہے، میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر وہ بیٹا واپس لینا چاہتا ہے تو سول کورٹ میں چلا جائے۔

سلیم اپنی ماں اور اُس کے خاوند کے ساتھ چلا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہانی پھر بھی ختم نہ ہوتی

گمشدہ سلیم مل گیا اور باپ کے ساتھ جانے کی بجائے اپنی ماں کے ساتھ چلا گیا۔ میری تفتیش ختم ہو گئی لیکن مجھے اس سے اطمینان نہ ہوا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ سلیم کی تلاش کے دوران جو انکشافات ہوتے ہیں وہ ایک اور واردات کا باعث بنیں گے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ زراعت انسپکٹر احمد علی اچھے کردار کا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے قصبے کے ایک مسلمان زمیندار کی بیوی کے ساتھ درپردہ دوستانہ گانٹھ رکھا تھا۔ اس کا علم زمیندار کے بھائی اور اُس کے بھائی کی بیوی کو ہو گیا تھا۔ بھائی کی بیوی نے احمد علی کی بیوی کو دھمکی دی تھی کہ وہ اپنے خاوند کو زنجیر ڈال کر رکھے ورنہ اسے بڑا بھیانک نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ زمیندار کے چھوٹے بھائی نے سلیم کی گمشدگی کی تفتیش کے دوران مجھے کہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی اس بے وفا بیوی کو اور زراعت انسپکٹر احمد علی کو قتل کر دے گا۔

یہ اُونچی ذات کا زمیندار خاندان تھا۔ آج بھی یہ لوگ زمین، جائیداد اور روپے پیسے اور اُونچی ذاتوں کے زور پر اپنے آپ کو غیرت مند کہا کرتے ہیں اور کمتر ذاتوں کے انسانوں کو اپنی رعایا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی چارپائی کے نیچے کبھی لاٹھی پھیر کر نہیں دیکھا۔ ان میں اکثریت ایسی ہے جو اپنے نوکروں چاکروں اور مزارعوں سے جُرم کرا لیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ روپے پیسے سے قانون کا مُنہ پھیر دیں گے۔ اس میں انہیں اکثر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے مگر انگریزوں کے دَور میں حالات کچھ اور تھے۔ روپیہ پیسہ تو اُس وقت بھی تھانوں میں پہنچ جاتا اور مسمریزم کے کرتب دکھا دیتا تھا لیکن صرف اُن کیسوں میں روپیہ پیسہ کام کرتا تھا جن میں مستغلہ تھانیداروں وغیرہ کو مجرموں کو بچانے کا محفوظ راستہ مل جاتا تھا۔ انگریز افسر بدروحوں کی طرح ہم پر سوار رہتے اور دیانتدار تھانیدار کی

قدر کرتے تھے۔

زمیندار اور جاگیردار لوگ اپنی عزت کی خاطر قتل سے کم سوچتے ہی نہیں تھے۔ میں سلیم کی تلاش سے فارغ ہو کر انتظار کرنے لگا کہ یہ زمیندار خاندان مجھے کب ایک انتقامی واردات میں اُلجھاتا ہے۔ مجھے ان لوگوں کے نام یاد نہیں رہے۔ یاد ہوتے تو بھی اصل نام نہ لکھتا۔ کہانی سنانے کے لئے ان کے کوئی اور نام رکھ دیتا ہوں۔

دس ہی روز گزرے ہوں گے کہ بڑے زمیندار صادق حسین (جس کی بیوی کا خفیہ دوستانہ زراعت انسپکٹر احمد علی کے ساتھ تھا) کا چھوٹا بھائی غفور تھانے میں آیا اور مجھے بتایا کہ اُس کا بھائی صادق حسین آج صبح صرف چار روز بیمار رہ کر مر گیا ہے اور اُسے (غفور کو) شک ہے کہ اُس کے بھائی کو اُس کی بیوی نادرہ نے زہر دیا ہے۔ غفور نے کہا کہ میں رپورٹ درج کر دوں اور لاش قبضے میں لے کر اس کا پوسٹ مارٹم کرا دوں۔

یہ صحیح ہے کہ پولیس کا کام یہی ہے کہ جرائم کی روک تھام کے لئے مجرموں کو پکڑے اور انہیں زیادہ سے زیادہ سزا دلائے لیکن پولیس پبلک کے اشاروں پر کارروائیاں کرنے لگے تو اکثر شریف شہری حوالاتوں میں ہی بند رہیں۔ پولیس کو رپورٹ درج کرنے سے پہلے یقین کرنا پڑتا ہے کہ رپورٹ بالکل درست ہے اور یہ مخالف فریق کو محض پریشان کرنے کے لئے درج نہیں کرائی گئی۔ غفور کی رپورٹ کو میں نے اس بنا پر قابلِ یقین سمجھ لیا کہ میں پس منظر سے واقف تھا۔ میں یہ پس منظر مکمل طور پر بیان کر چکا ہوں۔ مختصراً پھر بتا کر یاد دلا دیتا ہوں۔ غفور کا بڑا بھائی چوہدری صادق حسین اپنی بیوی کی نسبت خاصی زیادہ عمر کا تھا۔ عمر کے علاوہ وہ چرس کا نشئی ہو گیا تھا۔ چرس نے اُس کا جسم کھوکھلا کر دیا تھا۔ اس کی بیوی خوبصورت اور جوان تھی اور اس کا چال چلن قابلِ اعتراض تھا۔ سلیم کی گمشدگی کی تفتیش کے دوران انکشاف ہوا تھا کہ اس عورت (نادرہ) نے زراعت انسپکٹر احمد علی کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رکھا ہے جس کا علم اس کے دیور چوہدری غفور اور اس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیوی کو بھی ہو گیا تھا۔

اس پس منظر میں میں نے غفور کی رپورٹ پر غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ قتل چوہدرانی نادرہ کو یا احمد علی کو یا دونوں کو ہونا چاہیے تھا مگر صادق حسین کو زہر دے دیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ نادرہ پہلے وار کر گئی اور اُس نے اپنے دیور کے ہاتھوں قتل ہونے سے پہلے اپنے شوہر اور چرس کے کھاتے ہوئے خاوند کو زہر دے دیا۔ اس واردات میں زراعت انسپکٹر احمد علی کی اعانت لازمی تھی۔ پھر بھی میں نے اپنی تسلی کے لئے غفور سے بہت کچھ پوچھا۔

"چوہدری!" — میں نے کہا — "تم یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتے کہ چوہدری صادق کو زہر دیا گیا ہے۔ تم کہتے ہو کہ چار روز بیمار رہ کر مرا ہے۔ تم نے زہر کی کوئی نشانی دیکھی ہے؟"

"میں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی" — غفور نے جواب دیا — "لیکن اُس کی بیماری بڑی عجیب تھی۔ پہلے اُس نے کہا کہ پیٹ میں جلن ہے اور سر میں درد ہے۔ حکیم نے دوائی دے کر بتایا کہ معدے میں گڑبڑ ہے۔ کھانا ہضم نہیں ہُوا۔ اس کی دوائی سے تکلیف بڑھ گئی تو سول سرجن (سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر) کو دکھایا۔ اُس نے بھی معدے میں نقص بتا کر دوائی دے دی مگر تکلیف بڑھتی گئی اور ڈاکٹر تسلی دیتا رہا۔ چار روز میں وہ لاش بن گیا اور آج صبح مر گیا۔"

"اُس کی بیماری کے دوران اُس کی بیوی (نادرہ) کا رویہ اُس کے ساتھ کیسا رہا؟" — میں نے پوچھا — "کیا وہ پریشان رہی؟ اس کی تیمارداری کرتی رہی؟"

"اُس کے رویّے سے تو مجھے زیادہ شک ہُوا ہے" — غفور نے جواب دیا — "اُسے ہم نے پریشان نہیں دیکھا۔ میرا بھائی پانی بہت پیتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی مانگتا تھا۔ آپ یقین کریں کہ وہ جب پانی مانگتا تھا تو نادرہ بڑے آرام سے اُٹھتی تھی اور یوں پانی لاتی تھی جیسے اُسے

کوئی جلدی نہیں۔ مجھے اپنے بھائی سے بہت نارانگی تھی لیکن وہ میرا بھائی تھا۔ اُس کی جب تکلیف بڑھ گئی تو میں یا میری بیوی فوراً پانی لے آتی اور میں اُسے پانی پلاتا تھا۔ اُس کی بیوی اتنی دیر میں بمشکل اُٹھتی تھی۔"

میں نادرہ کو لے چلا

میرے ذہن میں چونکہ ایک پس منظر موجود تھا، اس لئے میں نے کیس رجسٹر کر کے ابتدائی رپورٹ (الیف۔ آئی۔ آر) تیار کر لی اور دیگر کاغذی کارروائی مکمل کر کے میں چوہدری صادق حسین کے گھر جا دھمکا اور لاش پر قبضہ کر لیا۔ یہ خوشحال زمینداروں کی برادری تھی۔ سب وہاں جمع ہو چکے تھے۔ عورتیں بَین کر رہی تھیں۔ آپ تصور میں لا سکتے ہیں کہ میں نے جب لاش اپنی تحویل میں لی تو وہاں کیسی قیامت بپا ہوتی ہو گی۔ وہ تو ہنگامہ تھا۔ تمام مردوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ اُن کی باتیں اور اُن کے تیور بتاتے تھے کہ مجھے اور میرے کانسٹیبلوں کو اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ صرف غفور میرے حق میں تھا اور خاموش کھڑا تھا۔ دو تین آدمی اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ اس نے شاید کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ تھانے جا رہا ہے۔ اُسے اس شک میں بُرا بھلا کہا جانے لگا کہ پولیس کو وہ لایا ہے۔

"میرے بھائی کو زہر دیا گیا ہے" — وہ چیخ کر بولا — "اور میں جانتا ہوں زہر کس نے دیا ہے اور کیوں دیا ہے۔"

وہاں گالی گلوچ اور شاید لڑائی بھی ہو جاتی لیکن میں نے سب کو دھمکا کر چپ کرا دیا اور لاش کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ مجھے زہر خورانی کے آثار نظر نہ آتے۔ اگر تیز زہر دیا جائے تو مرنے کے فوراً بعد لاش کا رنگ نیلا ہونے لگتا ہے اور مُنہ سے جھاگ پھوٹ آتی ہے۔ لاش جلدی خراب ہو جاتی ہے۔ بعض زہر آہستہ آہستہ اثر کرتے ہیں۔ زہر کھانے والا چند دنوں بعد مرتا ہے۔ ایسے زہر کے اثرات کسی بیماری کی علامات لگتے ہیں۔ مجھے شک ہُوا کہ اسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر زہر ہی دیا گیا ہے تو وہ بیماری کی علامات پیدا کرنے والا زہر ہوگا۔

میں نے لاش پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال بھجوا دی اور نادرہ کو اپنے ساتھ تھانے لے جانے لگا۔ پوری برادری میرے راستے میں آگئی۔ سب منت سماجت کر رہے تھے۔ نادرہ کے دو بھائی مجھے الگ لے گئے اور مُنہ مانگی رشوت پیش کی۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ پوسٹ مارٹم صاف نکلا تو نادرہ کو فوراً واپس بھیج دیا جائے گا۔ چوہدرانی نادرہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ وہ میرے ساتھ چل نہیں رہی تھی۔ میں نے اس کے بھائیوں سے کہا کہ اگر یہ میرے ساتھ چلنے سے اسی طرح انکار کرتی رہی تو میں پولیس والا طریقہ اختیار کروں گا اور جو آدمی مجھے روکنے کی کوشش کرے گا، اُسے گرفتار کر لوں گا۔

ان لوگوں کی بے عزتی تو اس سے ہو رہی تھی کہ تماشائیوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا جن میں ہندو اور سکھ بھی تھے۔ میرے اشارے پر کانسٹیبلوں نے سب کو دھکے دینے شروع کر دیئے۔ اُس دَور میں ہر پولیس کانسٹیبل کے پاس ایک ڈنڈا ہوتا تھا جسے بیٹن کہتے تھے۔ میں نے ہجوم پر بیٹن چارج کر دایا اور نادرہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

تھانے میں اُسے اپنے سامنے بٹھا لیا اور اُسے کہا کہ اب وہ رونا چیخنا بند کر دے اور اپنے آپ کو شک سے بچانے کی کوشش کرے۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ اگر وہ سچ بولے گی تو میں اسے بچا لوں گا۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ خوبصورت عورت تھی۔ پہلے اس کی کہانیاں سُنی تھیں۔ اب میں اُسے اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے خاوند چوہدری صادق کو اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ اس تھیل کے زمیندار تھانیدار کو "سلام" کرنے کے لئے دوسرے چوتھے روز تھانے حاضری دینے کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اگر تھانیدار فارغ مل جاتے تو اپنے مخالفین کی غیبت بھی کرتے تھے۔ چوہدری صادق بھی کبھی کبھار آجاتا تھا۔ اب میں نے اُس کی بیوی کو دیکھا تو مجھے افسوس ہُوا۔ اتنی جوان عورت کی شادی چوہدری صادق سے نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ لوگوں کو لیکچر اور

وعظ دیتے جا سکتے ہیں لیکن جب صادق اور نادرہ جیسے جوڑ ملاتے جاتے ہیں تو وعظ سنانے والے چپ رہتے ہیں اور وہ خود نکاح پڑھاتے اور اپنی فیس اور نئے کپڑے کھرے کر لیتے ہیں۔

میں نے جب نادرہ سے کہا کہ وہ اپنے جُرم کا اقبال کرے تو اُس نے حیرت زدہ ہو کر مجھے دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ اُس نے کیا جُرم کیا ہے۔ مجھے پوسٹمارٹم رپورٹ کا انتظار کرنا چاہیئے تھا لیکن میں نے وقت بچانے کی خاطر تفتیش شروع کر دی۔ اُسے صاف بتا دیا کہ اُس کا خاوند زہر سے مرا ہے اور اس کے دیور چوہدری غفور نے اُس پر شک کا اظہار کیا ہے۔ یہ سُن کر اُس کی جو حالت ہوئی وہ میں الفاظ میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اُس نے ایسے بولنا شروع کر دیا جیسے اُس کا دماغ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا ہو۔ وہ غفور کو گالیاں دیتے دیتے کہنے لگی کہ اُس کے خاوند کو زہر نہیں دیا گیا اور کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

"میں تمہارے ساتھ بڑی نیکی کر رہا ہوں" — میں نے کہا — "ابھی وقت ہے۔ میں تمہیں بچا سکتا ہوں ورنہ عمر قید ملے گی اور ساری عمر پچھتاتی رہو گی"۔

وہ رونے لگی۔ قسمیں کھانے لگی اور اُس نے کہا کہ میں اُس کے سر پر قرآن رکھ دوں۔

"میں اپنے اتنے اچھے خاوند کو زہر کیوں دیتی؟" — اُس نے کہا۔

"زراعت انسپکٹر احمد علی کی خاطر!" — میں نے کہا — "کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم اُسے چوری ملتی ہو اور گرمیوں کی دوپہر اُس کے گودام میں جاتی ہو؟ کیا یہ جھوٹ ہے کہ احمد علی کے بیٹے سلیم نے تمہیں ایک روز راستے میں روک لیا تھا؟" — میں نے آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا — "چوہدرانی! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔"

اُس نے سر جھکا لیا۔ میں اُس کے پیچھے پڑا رہا اور وہ مان گئی کہ احمد علی کے ساتھ اُس کی دوستی ہے — "لیکن میں نے خاوند کو زہر نہیں دیا۔ وہ تو چار دن بیمار رہے ہیں۔ مجھے تو ذرا سا بھی شک نہیں ہُوا کہ انہیں کسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے زہر دیا ہے۔"

حکیم نے ڈاکٹر کو جھٹلا دیا

قصبے کے سول ہسپتال میں معمولی نوعیت کا پوسٹمارٹم ہوتا تھا۔ زہر خورانی کی وارداتوں میں دلّی سے رپورٹ لی جاتی تھی۔ دوپہر کے بعد مجھے رپورٹ ملی۔ چونکہ چوہدری صادق اس ڈاکٹر کے زیرِ علاج بھی تھا، اس لئے میں نے اُسے تھانے بلا لیا۔ اُس نے بتایا کہ معدے کی دیواروں اور جگر کے رنگ سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے والے کو ایسا زہر دیا گیا ہے جس کا اثر فوری نہیں ہوتا۔ وہ معدے کے ٹکڑے، جگر کا ایک ٹکڑا اور تلی نکال کر دلّی ماہرین کے معائنے اور رائے کے لئے بھجوا رہا تھا۔ بہرحال اُس نے مجھے یقین دلا دیا کہ یہ زہر خورانی کی واردات ہے۔ میں نے تفتیش تیز کر دی۔

ڈاکٹر سے پوچھا کہ چوہدری صادق اُس کے زیرِ علاج رہا ہے۔ کیا اُسے شک نہیں ہوا کہ اسے زہر دیا گیا ہے؟"

"نہیں"۔۔۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔۔۔ "میں اسے معدے کا فتور سمجھتا رہا ہوں۔ بعض اوقات کوئی غذا بگڑے ہوئے معدے میں جا کر زہریلی ہو جاتی ہے۔ اسے FOOD POISONING کہتے ہیں۔ اس مرض میں قے ہوتی ہے لیکن چوہدری کو ابکائیاں آتی رہی ہیں"۔۔۔ میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا۔۔۔ "ایسی چیزیں موجود ہیں جو کھا لی جائیں تو معدے اور انتڑیوں کی سوزش کی علامات پیدا کرتی ہیں۔"

ڈاکٹر سے مجھے اپنے کام کی کوئی بات معلوم نہ ہوئی۔ البتہ اس سے میں نے کچھ راہنمائی حاصل کر لی۔ حکیم کو بھی میں نے بلا رکھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ ڈاکٹر کو فارغ کر کے حکیم کو اندر بلایا اور اس سے پوچھا کہ اُسے شک ہوا تھا یا نہیں کہ چوہدری صادق کو زہر دیا گیا ہے۔

"بالکل نہیں"۔۔۔ حکیم نے جواب دیا۔۔۔ "میں سُن کر حیران رہ گیا ہوں

کہ آپ نے زہر کا شک کیا ہے۔ میں نے حکمت میں اپنی عمر گال دی ہے۔ چوہدری صادق مرحوم کے معدے میں اچانک تیزابیت بڑھ گئی تھی۔ چونکہ وہ چرس بہت پیتے تھے اس لئے کسی دوائی نے تیزابیت پر اثر نہ کیا۔ چرس بڑی نامراد چیز ہے ملک صاحب! میں نے انہیں کئی بار اس نشے سے روکا تھا مگر وہ طبیعت کے بادشاہ تھے۔"

حکیم نے حکمت کی زبان میں بڑی لمبی اور پیچیدہ بات شروع کر دی۔ وہ اپنی اصطلاحوں میں بات کر رہا تھا اور مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ چوہدری صادق کو زہر نہیں دیا گیا۔ میں نے اُسے کہا کہ ڈاکٹر نے ہمارے شک کو یقین میں بدل دیا ہے تو اُس نے کہا کہ انگریزی ڈاکٹروں کو خاک بھی علم نہیں ہوتا۔ میں نے اُسے بتایا کہ لاش کے کچھ اعضاء کے ٹکڑے دلّی بھیجے جا رہے ہیں تو اُس نے کہا۔۔۔ "اگر وہاں سے یہ رپورٹ آئی کہ مرنے والا زہر سے مرا ہے تو میں اس رپورٹ کو غلط ثابت کر دوں گا۔"

حکیم نے اتنی زیادہ باتیں کیں اور ایسے انداز میں کیں کہ مجھے اس پر کچھ شک ہونے لگا۔ میں اپنی کہانیوں میں کئی بار بتا چکا ہوں کہ تفتیش شک کی بنیاد پر ہی کی جاتی ہے۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ زہر عموماً حکیموں اور سنیاسیوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور یہ لوگ منہ مانگی قیمت لیا کرتے ہیں۔ میں نے حکیم کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دیں جیسے میں اناڑی ہوں اور چوہدری صادق کے گھر کے متعلق میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

"مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ چوہدری صادق کی بیوی پر شک کیا جا رہا ہے کہ اس نے خاوند کو زہر دیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ایسی عورت نہیں۔ یہ تو بڑی شریف عورت ہے۔"

"بہت شریف ملک صاحب!"۔۔۔ حکیم نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ "آپ اس خاندان کو نہیں جانتے۔ یہ خاندانی لوگ ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ چوہدری غفور نے رپورٹ لکھوائی ہے کہ اس کے بھائی کو زہر دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اسے یہ شک کس پر ہے اور اس نے کیوں شک کیا ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چوہدری غفور کی بیوی کا چال چلن کیسا ہے؟"۔۔۔ میں نے پوچھا

"بہت اچھا"۔۔۔ حکیم نے جواب دیا۔

مختصر یہ کہ حکیم نے اس خاندان کی بہت تعریفیں کیں۔ نادرہ کا نام بار بار لیتا اور اُس کی تعریفیں خاص انداز سے کرتا تھا۔ میں نے اس سے معلوم کر لیا کہ نادرہ کئی بار اُس کے مطب میں گئی تھی اور اسے اکثر سر درد اور پیٹ کی کوئی تکلیف ہوتی تھی۔۔۔ میں نے حکیم پر یہ ظاہر کیا کہ میں اُس کی باتوں سے بہت متاثر ہُوا ہوں اور میں مان گیا ہوں کہ چوہدری صادق کو زہر نہیں دیا گیا۔ اُسے فارغ کر دیا۔ اُس نے میرے ساتھ یوں ہاتھ ملایا جیسے اُستاد اپنے شاگرد کے ہاتھ میں اپنا دے کر ہاتھ فوراً کھینچ لیتا ہے۔

اس قصبے میں یہ واحد حکیم تھا اور مسلمان تھا۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ تفتیش آگے چلانے سے پہلے میں نے اپنے ایک آدمی کو بلا کر حکیم کے متعلق پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ یہ حکیم بڑا کامیاب فریب کار ہے۔ اپنے آپ کو عورتوں اور بچوں کے امراض کا ماہر کہلاتا ہے اس لئے اس کے ہاں عورتیں زیادہ جاتی ہیں۔ اس کے متعلق یہ بھی معلوم ہُوا کہ تعویذ بھی دیتا ہے اور کسی پر جادو یا تعویذ کر دیتے جاتیں تو اپنے تعویذوں اور "عمل" سے ان کا اثر زائل کر دیتا ہے۔

میں نے حکیم کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ دیہات اور قصبوں میں اس حکیم جیسے کردار اکثر پائے جاتے ہیں جو جرائم میں درپردہ شامل ہوتے ہیں۔ یہ حکیم مجھے کھلاڑی معلوم ہوتا تھا۔

بہن کے دو بھائی اور رشوت

میری نظر میں نادرہ مشتبہ نمبر ایک تھی۔ تھانے کے باہر میلہ لگا ہُوا تھا۔ ایک چوہدرانی کا اس شک میں پکڑے جانا کہ اس نے اپنے خاوند کو زہر دیا ہے، قصبے کے لوگوں کے لئے معمولی واقعہ نہیں تھا۔ تماشائیوں کے علاوہ پوری برادری

جمع ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو چوہدری صادق کی لاش وصول کرنے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ میں نے نادرہ کے دونوں بھائیوں کو بلایا تو اُن کی ماں بھی ساتھ ہی آ گئی۔ نادرہ کا باپ مر چکا تھا۔ دونوں بھائیوں کو الگ کر کے کہا کہ وہ اپنی بہن کو سمجھائیں کہ اقبالِ جرم کر لے تو میں اس کے بچنے کی صورت پیدا کر دوں گا۔ میں دراصل انہیں جھانسے دے رہا تھا۔

انہوں نے میرے ساتھ دھمکی آمیز بحث شروع کر دی کہ اُن کی بہن ایسا جرم کرنے والی نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ زہر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ خاوند اس کا غلام تھا۔ وہ گھر کی مالکہ تھی۔ وغیرہ۔ میں نے انہیں کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کریں مگر وہ چوہدری غفور اور اُس کی بیوی کو گالیاں دینے لگا۔

"غفورے نے آپ کو جتنی رقم دی ہے اس سے دُگنی ہم سے لے لیں"۔۔۔ نادرہ کے ایک بھائی نے کہا۔۔۔ "ہماری بہن کو چھوڑ دیں ورنہ ہم اپنی بے عزتی کا بدلہ لیں گے"۔

انہوں نے مجھے اتنی رقم پیش کی جو آج کے حساب سے ڈیڑھ لاکھ بنتی ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ چوہدری غفور خود بدمعاش ہے۔ میں نے غصہ پی کر انہیں تفصیل سے سنایا کہ اُن کی بہن کے لچھن کیا ہیں اور زراعت انسپکٹر سے وہ کہاں ملتی ہے۔ ان دونوں کے چہرے لال سرخ ہو گئے۔ وہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرے پاس شہادت آ چکی ہے اور وہ مجھے بھٹلانے کی کوشش نہ کریں۔

"اور تم اس وقت تھانے میں ہو"۔۔۔ میں نے ان کی جھاگ بٹھانے کے لئے کہا۔۔۔ "میں تفتیش کر رہا ہوں۔ ایک آدمی زہر سے قتل ہو گیا ہے۔ میں شک میں تم دونوں کو حوالات میں بند کر سکتا ہوں۔ میں تم پر مہربانی کر رہا ہوں، ورنہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہاری بہن کو بچانے کی کوشش کروں"۔

وہ بجھ گئے۔ میں نے اُن کی ماں کو بھی بلا لیا اور اُسے کہا کہ اپنی بیٹی سے کہو کہ ساری بات مجھے بتا دے۔ میں اسے بچا سکتا ہوں۔ ابھی گنجائش ہے۔ میں ڈاکٹر سے کہہ دوں گا کہ وہ لکھ دے کہ چوہدری صادق زہر سے نہیں بیماری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے مرا ہے۔

ماں اور دونوں بھائی میرے دفتر میں چلے گئے جہاں نادرہ بیٹھی تھی۔ میں باہر ٹہلتا رہا۔ ان کی برادری کے تین چار طرے دار بزرگ میرے پاس آ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ نادرہ نے اپنے خاوند کو زہر دیا ہے۔ انہوں نے بھی مجھے رشوت پیش کی اور منت سماجت کرنے لگے کہ اگر یہ الزام صحیح ہے تو میں اُن کی برادری کی عزت کی خاطر معاملہ گول کر دوں۔ میں نے انہیں بھی کہا کہ نادرہ مجھے سچی بات بتا دے تو میں اسے بچا لوں گا۔

وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے اور میں کسی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ بہت دیر بعد نادرہ کے بھائی اپنی ماں کے ساتھ باہر نکلے۔ اُن کے چہرے لٹکے ہوتے تھے۔ وہ مجھے یقین دلانے لگے کہ نادرہ بے گناہ ہے اور وہ قرآن اور رسولؐ کی قسمیں کھاتی ہے۔ میں نے انہیں تھانے کے احاطے سے چلے جانے کو کہا۔

نادرہ یہ جرم اکیلے نہیں کر سکتی تھی۔ سلیم کی گمشدگی کی تفتیش کے دوران مخبروں نے مجھے بتایا تھا کہ نادرہ کے تعلقات صرف احمد علی کے ساتھ ہیں۔ احمد علی کے علاوہ کسی اور آدمی کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ مسلّی نے بھی صرف احمد علی کا نام لیا تھا۔ مجھے پختہ شک تھا کہ اس واردات میں احمد علی شامل ہے۔ اُس نے نادرہ کے ہاتھوں چوہدری صادق کو زہر دلوایا ہے۔ اب وہ یہاں سے اپنا تبادلہ کہیں دُور کرا لے گا اور نادرہ اس کے پیچھے چلی جائے گی۔

زراعت انسپکٹر احمد علی کو شاملِ تفتیش کرنے کے لئے میں نے اُسے بلا بھیجا۔ رات کا وقت تھا۔ باہر کا ہجوم جا چکا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے واپس آ کر بتایا کہ احمد علی دُورے پر گیا ہُوا ہے۔ ہیڈ کانسٹیبل پوری اطلاع لے آیا تھا۔ اُسے دورے پر گئے چوتھا دن تھا۔ وہ بیوی کو بتا کر نہیں گیا تھا کہ کون کون سے گاؤں میں جائے گا۔ مجھے اُس کی فوری ضرورت تھی۔ میں اُس کے گھر چلا گیا اور اُس کی بیوی سے پوچھا کہ وہ سرکاری کاغذات وغیرہ کہاں

رکھتا ہے۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی اور ایک الماری دکھائی۔ میں نے اُس کی میز دیکھی۔ ایک رجسٹر رکھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اپنی کارگزاری اور دوروں کا وہ ریکارڈ رکھتا ہوگا۔ مجھے یہ ریکارڈ رجسٹر سے مل گیا۔ اس میں اُس نے اس دورے کا اندراج کر رکھا تھا جس پر وہ گیا ہُوا تھا۔ اُس نے تین گاؤں لکھے تھے۔ یہ چار سے چھ میل دُور تھے۔

میں نے رات کو ہی اپنے اے۔ ایس۔ آئی کو گھوڑی دے کر احمد علی کو اپنے ساتھ لانے کو روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ دو کانسٹیبل بھی بھیجے۔ اے۔ ایس۔ آئی کو میں نے کچھ ہدایات دے دی تھیں

چوہدری صادق کے گھر کی تلاشی سے کچھ حاصل ہونا ناممکن تھا۔ زہر خورانی کو چار دن گزر گئے تھے۔ پھر بھی میں اگلی صبح خانہ تلاشی کے لئے چلا گیا۔ یہ محض ایک کارروائی تھی۔ وہ برتن برآمد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جس میں زہر دیا گیا تھا۔ مجھے کچھ نہ ملا۔ رشوت کا ریٹ بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے ایمان کو ان لوگوں نے نیلامی پر رکھ دیا تھا اور میں انہیں صرف یہ کہتا تھا کہ چوہدرانی سے کہو کہ اقبالِ جرم کر لے۔ ان لوگوں کی للکار بتا رہی تھی کہ وہ چوہدری غفور کو قتل کر دیں گے۔ میں نے اس برادری کے بزرگوں کو بلا کر کہا کہ اگر غفور پر کسی نے حملہ کیا تو ساری برادری کو گرفتار کر لوں گا۔

چوہدری غفور کو میں نے اپنی حفاظت میں رکھا ہُوا تھا لیکن آدمی دلیر تھا۔ کہتا تھا کہ میں ساری برادری کے لئے اکیلا کافی ہوں۔ مجھے اس شخص کے ساتھ اس لئے دلچسپی تھی کہ وہ صحیح معنوں میں غیرت مند تھا۔

جب میں تھانے میں گیا تو اے۔ ایس۔ آئی واپس آ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اُن تینوں گاؤں سے ہو آیا ہے۔ احمد علی کسی ایک بھی گاؤں میں نہیں گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اُس نے اپنے رجسٹر میں غلط اندراج کیا ہے اور کہیں اور چلا گیا ہے۔ وہ غالباً یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جاتے وارادات سے غیر حاضر تھا۔ میں نے ایک شک رفع کرنے کے لئے اُس کے ہیڈ کوارٹر کو فون کیا جو وہاں سے ساٹھ میل دُور تھا۔ اُن دِنوں ٹیلیفونوں کا یہ رش نہیں تھا جو آج کل ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹرنک کال کے نمبر جلدی مل جاتے تھے۔ پولیس کو نمبر لیتے ویسے بھی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

احمد علی کے ڈائریکٹر سے بات ہوتی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ ان کا زراعت انسپکٹر احمد علی ہیڈ آفس میں تو نہیں آیا؟ جواب ملا کہ وہاں نہیں گیا۔ ڈائریکٹر (جو ایک ہندو تھا) کے پوچھنے پر میں نے اُسے بتایا کہ وہ ایک واردات میں گواہ یا مشتبہ کے طور پر مطلوب ہے۔ ڈائریکٹر تعاون کرنے والا آدمی تھا۔ اُس نے بتایا کہ احمد علی کی ایک درخواست موصول ہوتی ہے جس میں اُس نے لکھا ہے کہ اُسے اس حلقے سے ہٹا کر کسی اور حلقے میں بھیج دیا جائے کیونکہ یہاں کے ایک دو بڑے زمیندار اُسے پریشان کرتے ہیں۔ اُس نے پریشانی کی وجوہات بھی لکھی تھیں۔

اس اطلاع نے میرا یہ شک کہ احمد علی اس جُرم میں شریک ہے یقین میں بدل دیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آیا کہ احمد علی نے درخواست میں وجہ صحیح لکھی تھی۔ اُس نے ایسے خاندان کی ایک عورت کے ساتھ تعلقات پیدا کر رکھے تھے جس کے ہاں اس گناہ کی سزا قتل سے کم نہیں ہوتی۔ تاہم احمد علی کو میں مُلزم سمجھنے لگا۔

گھوڑی ـــــ سوار کے بغیر

نادرہ کو میں نے حراست میں رکھا اور اُسے کہتا رہا کہ اب بھی وقت ہے، وہ اقبالِ جرم کر لے مگر وہ روتی تھی اور میرے پاؤں پکڑتی تھی۔ قسمیں کھاتی اور مجھے اپنا سارا زیور اور اپنا آپ اور جانے کیا کیا رشوت میں پیش کرتی تھی۔ آپ شاید تصور میں نہ لا سکیں کہ وہ کتنی خوبصورت اور جوان عورت تھی۔ خدا گواہ ہے، اُسے گناہگار سمجھتے ہوئے بھی مجھے اُس پر ترس آتا تھا۔ ایک تو اُس کی شادی بے جوڑ ہوئی اور مزید ظلم یہ کہ خاوند چرسی تھا۔ چرس نے اس آدمی کو زندہ لاش بنا دیا تھا۔ اس میں نادرہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس

نے پانچ چھ سال اس آدمی کو اور چرس کی بدبو کو برداشت کیا تھا۔ میں نے تھانے میں اس پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا تھا بلکہ رویہ ہمدردانہ رکھا۔ اُس کا کھانا گھر سے آتا تھا۔ اُسے حوالات میں بند نہ کیا۔

اُسی روز جب میں نادرہ کے گھر کی تلاشی لے کر آیا اور اے۔ ایس۔ آئی نے مجھے بتایا کہ احمد علی کہیں نہیں ملا، ایک گاؤں کا نمبردار تھانے کے احاطے میں داخل ہُوا۔ اُس نے ایک گھوڑی پکڑ رکھی تھی اور اُس کے ساتھ دو بوڑھے اور دو جوان آدمی تھے۔ اُن کے لباس بتا رہے تھے کہ خانہ بدوش ہیں۔ میں سمجھا کہ ایک اور واردات آگئی ہے۔ خانہ بدوش قبیلے جرائم پیشہ ہُوا کرتے تھے۔ یہ کئی ایک قبیلے تھے۔ گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ رہزنی اور ڈکیتی ان کا پیشہ تھا۔

نمبردار نے بتایا کہ وہ اس گھوڑی کو پہچانتا ہے۔ یہ زراعت انسپکٹر احمد علی کی گھوڑی ہے۔ نمبردار کُتوں کے شکار کو ایک ویرانے میں گیا۔ وہاں یہ خانہ بدوش قبیلہ خیمہ زن تھا۔ ان لوگوں کے پاس عموماً گدھے یا خچر ہوتے تھے۔ نمبردار نے خیمہ گاہ کے قریب یہ گھوڑی ایک درخت کے ساتھ بندھی دیکھی تو اُسے شک ہُوا کہ ان خانہ بدوشوں کے پاس اتنی اچھی گھوڑی کہاں سے آگئی ہے۔ وہ گھوڑوں کا زمانہ تھا۔ لوگ اچھی نسل کے گھوڑوں کو پہچان لیتے تھے کہ یہ فلاں کا ہے۔ نمبردار نے قریب جا کر دیکھا تو اُسے یاد آیا کہ یہ احمد علی کی گھوڑی ہے۔ وہ اس نمبردار کے گاؤں میں کئی بار دورے پر گیا تھا۔

نمبردار نے خانہ بدوشوں سے پوچھا کہ یہ گھوڑی اُن کے پاس کس طرح آگئی ہے۔ خانہ بدوشوں نے جھوٹ نہ بولا۔ انہوں نے بتایا کہ چار پانچ روز گزرے یہ گھوڑی اُن کے ڈیرے سے کچھ دُور چر رہی تھی۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی۔ وہ دیکھتے رہے کہ اس کا سوار اِدھر اُدھر ہو گا اور ابھی آجاتے گا مگر بہت دیر تک کوئی سوار نہ آیا۔ انہوں نے دُور دُور تک دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ گھوڑی اپنے ساتھ لے گئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نمبردار کے ساتھ جو خانہ بدوش آتے تھے، انہوں نے یہی بیان دیا۔

میں نے گھوڑی دیکھی۔ زین اس کے ساتھ تھی۔ زین اتروائی اور اس کی اندر کی طرف دیکھی۔ اکثر لوگ زین کے نیچے اپنا نام یا کوئی نشانی چمڑے میں کندہ کروایا کرتے تھے۔ اس زین کے نیچے انگریزی کے دو حروف کندہ تھے — A.A — یہ احمد علی کا ہی مخفف ہو سکتا تھا۔ چونکہ احمد علی دَورے پر جا رہا تھا اس لئے گھوڑی کے ساتھ تھیلا ضروری تھا جس میں کاغذات ہوں گے۔

"اِدھر آؤ" — میں نے چاروں خانہ بدوشوں کو قریب بلا کر دھمکی آمیز لہجے میں کہا — "تھیلا کہاں ہے؟"

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک بوڑھے نے کہا — "ہم نے چھپا دیا ہے۔"

"کیوں؟" — میں نے پوچھا — "گھوڑی ہضم کرنے کا ارادہ تھا؟"

"ہاں جی!" — بوڑھے نے کہا — "اگر دو روز اور گھوڑی نہ پہچانی جاتی تو ہم یہاں سے چلے گئے ہوتے۔"

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ پولیس انہیں اور وہ پولیس کو جانتے پہچانتے تھے۔ ان کی جوان عورتیں بڑی خوبصورت اور بہت ہی خطرناک ہوتی تھیں۔ یہ لوگ پولیس کو چکرا دیتے تھے، اور صاف بات کرنے کا ارادہ کر لیتے تو دل میں کچھ بھی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے دلوں میں مجھ جیسے تھانیداروں کا کوئی ڈر نہیں تھا۔

"کاغذات والا تھیلا کہاں ہے؟"

"ہمارے ڈیرے میں ہے" — بوڑھے خانہ بدوش نے جواب دیا — "ہم نے یہی سوچا تھا کہ پکڑے گئے تو بتا دیں گے کہ گھوڑی کہاں سے ملی ہے۔ اگر گھوڑی کا مالک نہ ملا تو کاغذ جلا دیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

اودبلاؤ کے مُنہ میں گوشت

صاف ظاہر تھا کہ احمد علی گھوڑی چھوڑ کر تو غائب نہیں ہو گیا تھا۔ گھوڑی کا ویرانے میں زین سمیت اکیلے ملنا ایک سنگین جُرم کی کہانی سُنا رہا تھا۔ میں اس واقعہ کو کہانی سُننے یا پڑھنے والے کی نظر سے نہیں، پولیس کی نظر سے یا سراغرساں کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ خانہ بدوش قبیلہ کم و بیش چھ میل دُور ٹھہرا ہُوا تھا۔ جس جگہ سے گھوڑی ملی تھی وہ آدھا میل اور آگے تھی۔ وہ میرا علاقہ تھا۔ میں کئی بار اُدھر گیا تھا۔ عام راستوں سے ہٹا ہُوا علاقہ تھا جس میں سے کسی کا گزر نہیں ہوتا تھا۔

میں نے کھوجی کو بلایا۔ آدھا گھنٹہ اُس کے آتے آتے ضائع کر دیا۔ میں سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اُس جگہ پہنچنا چاہتا تھا۔ کھوجی آیا تو میں نے اُسے کہا کہ اس گھوڑی کے کھُر سے اچھی طرح ذہن میں رکھ لو۔ اُس نے زمین پر کھُرے دیکھے اور ہم چل پڑے۔

ہم بہت تیز گئے اور سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ خانہ بدوش مجھے اُس جگہ لے گئے جہاں گھوڑی چَر رہی تھی۔ وہاں کہیں کہیں گھاس تھی اور کہیں کہیں درخت تھے۔ اس سے ذرا پرے زیادہ تر علاقہ چھلنی کی طرح تھا۔ چونکہ یہ نشیب تھا اس لئے بارشوں کا پانی اِدھر سے گزرتا تھا۔ بعض جگہوں میں پانی زمین میں چلا جاتا اور آگے جا کر باہر نکلتا تھا۔ پانی سیلابی سا ہوتا تھا جس سے زمین عجیب طرح کٹی پھٹی تھی۔ وہاں چلا نہیں جاتا تھا۔ گہرے اور کم گہرے اور چھوٹے چھوٹے کھڈ تھے۔

گھوڑی جہاں کھڑی تھی وہاں جگہ ذرا ہموار تھی اور وہاں گھاس بھی تھی۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ احمد علی قتل ہو چکا ہے اور اگر میرا خدشہ صحیح ہے تو قاتل یہ خانہ بدوش ہیں یا چوہدری غفور۔ یہی خدشہ تھا جو مجھے اس ویرانے میں لے گیا ورنہ احمد علی کی گمشدگی کی کوئی رپورٹ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ میں نے کھوجی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے کہا کہ وہ اس علاقے میں گھوم پھر کر گھوڑی کے کھُرے تلاش کرے اور یہ کھوج لگانے کی کوشش کرے کہ گھوڑی کس طرف سے آتی ہے۔

کھوجی اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور میں آسمان کو کھوجنے لگا۔ میں فضا میں اور درختوں پر گدھ ڈھونڈ رہا تھا۔ گدھ لاش کی نشاندہی کر دیا کرتے ہیں مگر مجھے کہیں بھی گدھ اُڑتے یا اُترتے نظر نہ آتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہاں لاش نہیں۔ اگر ہے تو زمین کے اندر ہے۔ میں اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ اس کھوجی پر مجھے بھروسہ تھا۔ اپنے فن کا ماہر تھا۔ وہ علاقہ چونکہ عام راستہ نہیں تھا اس لئے کھُرا اُٹھانا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔

اُس نے کھُرا اُٹھالیا۔ دُور سے اُس نے مجھے آواز دی۔ میں دوڑا گیا۔ کھوجی مجھے اور نیچے لے گیا۔ وہاں گھوڑی کے ساتھ انسانوں کے کھُرے بھی تھے۔ زمین کچی تھی۔ ایک جگہ مٹی لال سرخ سی تھی۔ میں نے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ہو کر وہاں سے زمین سونگھی۔ کھوجی نے بھی سونگھی۔ نمبردار نے بھی سونگھی۔ ہم سب نے متفقہ طور پر کہا کہ یہ خون ہے۔

وہاں سے انسانی پاؤں کے نشان چلے۔ کھوجی نے کہا کہ یہ تین آدمی ہیں۔ یہ جگہ ذرا نیچے اور ہموار تھی۔ کھُرے اُس طرف گئے جہاں زمین اُوپر کو اُبھری ہوئی اور کٹی پھٹی تھی۔ یوں سمجھئے کہ گز گز، ڈیڑھ ڈیڑھ گز اونچے ٹیلے سے تھے اور ان کے درمیان اتنے تنگ راستے تھے جن پر انسان چل نہیں سکتا تھا۔ ہم ان کے اُوپر اُوپر چلنے لگے۔ کہیں کہیں کھوجی کو کھُرے مل جاتے تھے۔ بیس تیس قدم آگے گئے تو پھر ایک نشیبی جگہ آگئی۔

"وہاں کچھ ہے"۔۔۔ کھوجی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اُدھر دیکھا۔ کوئی بیس قدم دُور دو گیدڑ پنجوں سے ایک جگہ مٹی کھود رہے تھے۔ وہ جگہ عمودی اور گز ڈیڑھ گز اُونچی تھی۔ وہاں تنگ سوراخ تھا۔ ایک گیدڑ نے پیچھے دیکھا اور ہمیں دیکھ کر بھاگ گیا۔ دوسرا بھی بھاگ گیا۔ ذرا دیر بعد اس بِل میں سے ایک اُود بلاؤ نکلا۔ اس کے مُنہ میں گوشت کا ٹکڑا تھا۔

"اندر مُردار ہے یا لاش"۔۔۔ کھوجی نے کہا۔

ہم وہاں گئے۔ اندر سے ایک اور اُود بلاؤ نکلا۔ اُس کے مُنہ میں بھی گوشت کا ٹکڑا تھا۔ دونوں اُود بلاؤ بھاگ گئے۔ ہم نے اُوپر جا کر دیکھا صاف پتہ چلتا تھا کہ یہاں مٹی ڈالی گئی ہے۔ قریب ہی سے مٹی کھودی گئی تھی۔ یہ پانی کے گزرنے کا راستہ تھا جو زمین کے نیچے چلا جاتا اور ذرا ہی آگے جا کر باہر آتا تھا۔ وہاں سے اُود بلاؤ اندر جاتے تھے۔ راستہ یا بِل تنگ تھا اس لئے گیدڑ اندر نہیں جا سکتے تھے۔

لاش کو گناہ کھا رہے تھے

ہمارے پاس کدال نہیں تھی۔ میرے کہنے پر چار خانہ بدوش، نمبردار اور تین کانسٹیبل ہاتھوں سے مٹی اُٹھا اُٹھا کر پرے پھینکنے لگے۔ خانہ بدوشوں کا ڈیرہ وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں نے نمبردار سے کہا کہ وہ میری گھوڑی پر جا کر ایک دو کدالیں لے آئے۔ اُس نے زیادہ دیر نہ لگائی۔ خانہ بدوشوں سے دو کدالیں لے آیا۔ ان سے مٹی تیزی سے نکال دی گئی۔

تقریباً ایک گز نیچے سے ایک لاش برآمد ہوئی۔ بدبُو اتنی کہ مجھے چکر آ گیا۔ لاش سے مٹی ہٹائی گئی۔ لاش سُوج گئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے چہرہ پہچان لیا۔ یہ احمد علی کی لاش تھی۔ اس کے پاؤں اُس طرف تھے جدھر سے اُود بلاؤ اندر داخل ہوتے تھے۔ یہ قدرتی بنی ہوئی قبر تھی جس میں قاتلوں نے لاش رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ لاش کی دو پنڈلیوں اور ایک ران سے گوشت کھایا ہُوا تھا۔ وہاں عجیب سی شکلوں کے کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں جمع ہوگئی تھیں ـــــ میں سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ یہ ایک گناہگار اور بدکار آدمی کا انجام تھا۔ اس نے ایک یتیم لڑکی کے ساتھ شادی کی اور روپے پیسے اور زیورات سے اُس کا مُنہ بند کر رکھا تھا اور خود بدکاری میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس یتیم بیوی نے سلیم کی گمشدگی کی تفتیش کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ یہ شخص مجھے طلاق دے دے تو میں کہاں جاؤں گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس انسان کی بدکاری اس کی لاش کو اُود بلاؤ اور کیڑے مکوڑے بن کر کھا رہی تھی۔

لاش باہر نکلوائی۔ ہم سب نے ناک پر کپڑے باندھ لئے تھے۔ خانہ بدوشوں سے لاش اُلٹا پلٹا کر دیکھی۔ گردن کے قریب گہرا زخم تھا جو کلہاڑی کا ہی ہو سکتا تھا۔ پسلیاں بھی کلہاڑی سے کٹی ہوئی تھیں۔ پیٹھ پر کلہاڑیوں کے نشان تھے اور دائیں کولہے پر لمبا زخم تھا جو لڑکے کا ہو سکتا تھا۔

نمبردار نے بھی کہا کہ یہ زراعت انسپکٹر کی لاش ہے۔ لاش کی جامہ تلاشی لی۔ جیب سے دس دس اور پانچ پانچ کے کچھ نوٹ اور دو چار اٹھنیاں چونیاں نکلیں۔ کلائی میں گھڑی تھی۔ اُس زمانے میں کلائی کی گھڑی کسی امیر کبیر آدمی کے پاس ہُوا کرتی تھی۔ اُنگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی۔

میں نے کاغذی کارروائی وہیں مکمل کی اور نمبردار سے کہا کہ وہ اپنے گاؤں سے چارپائی لے آئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لے جانی تھی۔ میں چارپائی آنے تک خانہ بدوشوں کے ڈیرے میں چلا گیا اور انہیں کہا کہ کاغذات والا تھیلا دے دیں۔ انہوں نے تھیلا نکال دیا۔ اس میں احمد علی کے سرکاری کاغذات کے علاوہ دو چادریں، ایک چپلی اور ایک کُرتہ تھا۔ قتل کا پہلا شک ان خانہ بدوشوں پر ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ شک یہ دیکھ کر کمزور ہو جاتا تھا کہ نقدی، گھڑی اور سونے کی انگوٹھی لاش کے ساتھ تھی۔ مقتول نے جو شوز پہن رکھے تھے وہ بھی خانہ بدوشوں کے لئے قیمتی اور کارآمد تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ قتل رہزنی کی خاطر نہیں کیا گیا۔ یہ انتقامی واردات ہے۔

ایک شک یہ بھی پیدا ہُوا کہ خانہ بدوشوں نے گھوڑی کی خاطر احمد علی کو قتل کیا ہے اور انہوں نے نقدی، انگوٹھی وغیرہ اس خیال سے لاش کے ساتھ ہی رہنے دی ہے کہ اگر کبھی لاش برآمد ہو جاتے تو پولیس کو یہ شک نہ ہو کہ اسے رہزنی کے لئے قتل کیا گیا ہے، مگر میرا یہ شک بھی کمزور تھا۔ انہیں گھوڑی لے کر وہاں سے چلے جانا چاہیئے تھا۔ وہ تو وہیں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ گھوڑی سامنے باندھ رکھی تھی اور تھیلے کی اشیاء ضائع نہیں کی تھیں۔

نمبردار نے اُن سے جونہی گھوڑی کے متعلق پوچھا، انہوں نے بتا دیا کہ یہ گھوڑی انہیں ویرانے میں کھڑی ملی ہے۔

اس کے باوجود میں خانہ بدوشوں کو تفتیش سے خارج نہیں سمجھتا تھا۔ میری نظر میں وہ گواہ کے ساتھ ساتھ مشتبہ بھی تھے۔ یہ لوگ بہت چالاک ہوتے تھے۔ ان کی ہر سوچ مجرمانہ ہوتی تھی۔ آپ ہمیشہ یہی سُنتے آتے ہیں کہ صرف مرد عورتوں کو اغوا کرتے ہیں مگر ان خانہ بدوشوں کی عورتیں مردوں کو اغوا کر لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ میں نے اس قبیلے کے تقریباً دس آدمیوں اور چھ عورتوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ نمبردار چارپائی لے آیا تو میں نے خانہ بدوشوں سے لاش چارپائی پر ڈلوا کر اُن سے چارپائی اٹھوائی اور ہم تھانے کو چل پڑے۔

ایک لاش دو عورتیں

احمد علی چونکہ بدکار آدمی تھا اس لئے میرا دوسرا شک یہ تھا کہ اس نے کسی گاؤں کی کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہوگا اور قتل ہو گیا۔ چوہدری غفور تو سب سے پہلے میرے ذہن میں آیا تھا۔ اُس نے سلیم کی گمشدگی کے سلسلے میں مجھے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کسی کا بیٹا اغوا نہیں کرے گا۔ وہ انتقام لینے پر آئے گا تو اُس کے ہاتھ سے احمد علی قتل ہو گا اور اپنے بے غیرت بھائی کی بیوی نادرہ قتل ہو گی، مگر مجھے یہ صورتِ حال پریشان کرنے لگی کہ احمد علی تو قتل ہو گیا ہے لیکن اُدھر نادرہ کی بجائے چوہدری صادق قتل ہو گیا۔ ایک سوال میرے ذہن میں آیا ــــ "کیا احمد علی پہلے قتل ہُوا ہے اور نادرہ کو اُسی روز بتا دیا گیا تو اُس نے انتقاماً اپنے خاوند کو زہر دے دیا؟" ــــ شاید اس لئے غفور کو شک ہُوا ہو گا کہ نادرہ کا خاوند بیماری سے نہیں زہر سے مرا ہے۔

یہ خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ جس جگہ سے احمد علی کی لاش ملی تھی وہ عام راستے سے تقریباً ایک میل دُور تھی۔ ایک جگہ ہم نے خون دیکھا اور ایسے نشان دیکھے جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے وہاں لے جا کر قتل کیا گیا ہے،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یا وہ وہاں سے گزر رہا تھا اور قتل ہو گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ اِس ویرانے سے کیوں گزر رہا تھا؟ — میں نے کھوجی سے پوچھا کہ اُس نے جاتے واردات پر جو کھُرے دیکھے تھے، کیا ان میں زنانہ کھُرا بھی تھا؟ اُس نے پورے یقین سے کہا کہ ان میں زنانہ کھُرا نہیں تھا۔

ہم جب واپس تھانے میں آئے تو رات آدھی گزر گئی تھی۔ سب سے پہلے احمد علی کی بیوی کو بلایا اور اُسے لاش دکھائی۔ اُس سے لاش کی شناخت کرائی تھی۔ اُس نے لاش پہچان لی اور آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اُس کا رونا اور چیخنا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس نے چلا چلا کر چوہدری صادق، اس کی بیوی نادرہ اور چوہدری غفور اور اس کی بیوی کو کوسنا شروع کر دیا۔ نادرہ کو میں نے ایک کمرے میں رکھا ہُوا تھا۔ ایک کانسٹیبل پہرے پر کھڑا رہتا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ وہ احمد علی کی بیوی کے واویلے پر جاگ اُٹھی اور دوڑتی باہر نکل آئی۔ احمد علی کی بیوی نے اُسے دیکھ لیا اور اپنے سینے پر دونوں ہاتھ مار کر اُسے فاحشہ، نٹنی، طوائف اور بدکار کہا اور یہ بھی کہا کہ تُو نے میرے خاوند کی خاطر اپنے خاوند کو زہر دیا ہے۔

میں نے دیکھ لیا اور نادرہ کو جو ذرا دُور رُک کر حیران و پریشان کھڑی تھی، بازو سے پکڑ کر کمرے میں لے گیا۔ اُس نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا ہُوا ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ احمد علی تین چار دنوں سے لاپتہ تھا۔ آج اُس کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ اتنا ہی سُن کر اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر مارے اور اُس کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا — "ہائے او سے احمد علی، تُو نے میرے لئے جان دے دی" — یہ کہہ کر اُس نے چہرے پر دوپٹہ ڈال لیا اور وہ جو روتی ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اپنے خاوند کے مرنے پر اُس کی آنکھ میں آنسو نہیں آیا تھا۔

اُس نے چہرے سے اچانک دوپٹہ ہٹا دیا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل گیا تھا۔ میری طرف دیکھ کر کہنے لگی — "احمد علی کا قاتل میرا دیور غفور ہے"۔

میں کمرے سے نکل آیا اور دروازہ باہر سے بند کرا دیا۔ لاش پوسٹمارٹم کے لئے بھجوا دی اور میری نیند اُڑ گئی۔ ابھی ایک چوہدری کے قتل کا سراغ نہیں ملا تھا کہ ایک زراعت انسپکٹر کی لاش آ گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ ایک ہی واردات کی دو کڑیاں ہیں یا یہ الگ الگ وارداتیں ہیں۔ بہرحال میں نے اس کے جو کاغذات تیار کیے وہ الگ کیس کے طور پر کیے۔ نیند تو مجھے آ نہیں رہی تھی، میں نے اُسی وقت ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ ایک کانسٹیبل کو ساتھ لو اور چوہدری غفور اور اُس کی بیوی جس کا نام فاسمہ تھا، ساتھ لے آؤ۔ تھانے کے احاطے میں خانہ بدوشوں اور اُن کی عورتوں نے اُودھم مچا کر رکھا تھا۔ یہ باور یا قبیلہ تھا جو واردات کر کے پولیس کو تگنی کا ناچ نچایا کرتا تھا۔ میں نے انہیں خاموش رکھنے کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔

کوئی اور آدمی ہو گا؟

چوہدری غفور اپنی بیوی کے ساتھ آ گیا۔ میں نے غفور کو اپنے دفتر میں بٹھا کر اس کی بیوی کو برآمدے میں بٹھا دیا۔

"ملک صاحب!" — اُس نے میرے سوال کا انتظار نہ کیا۔ مجھ سے پوچھا — "سنا ہے زراعت انسپکٹر کی لاش کہیں سے ملی ہے اور ہسپتال میں پڑی ہے؟ وہ قتل ہُوا ہے؟"

"ہاں چوہدری!" — میں نے کہا — "وہ قتل ہُوا ہے اور میں نے تمہیں رات کے اس وقت صرف اس لئے بلایا ہے کہ تم عزت اور غیرت والے آدمی ہو۔ مجھے صاف صاف بتا دو اور مجھ سے وعدہ لو کہ تمہاری پوری مدد کروں گا۔"

"اوہ!" — اُس نے بڑی سنجیدگی سے کہا — "آپ کا شک مجھ پر ہی ہونا چاہیئے تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ احمد علی میرے ہاتھوں قتل ہو گا لیکن نادرہ پہلے وار کر گئی۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

”نادرہ پہلے وار کر گئی ہ“ــــ میں نے پوچھا ــــ ”اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“

”یہ بات اس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی کہ میں اُسے اور اُس کے آشنا احمد علی کو قتل کر دوں گا“ــــ اُس نے کہا ــــ ”وہ بڑی چالاک اور دل گُردے والی عورت ہے۔ اُس نے میرے بھائی کو جو اس کا خاوند ہے، زہر دے کر مار دیا۔“

”وہ تو میں تفتیش کر رہا ہوں“ــــ میں نے کہا ــــ ”میں احمد علی کے قتل کی بات کر رہا ہوں۔“

”مجھ پر شک نہ کریں ملک صاحب!“ــــ اُس نے کہا ــــ ”میں نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اپنی بیوی کو بھی بتا دیا تھا کہ میں موقع ملتے ہی زراعت انسپکٹر کو پار کر دوں گا۔ میری بیوی نے کہا کہ ایسا نہ کرنا۔ تم پھانسی چڑھ جاؤ گے اور میں بیوہ ہو جاؤں گی۔ اس کی بجائے میری بیوی نے کہا کہ نادرہ کو اتنا ذلیل اور رسوا کر دو کہ یہاں سے بھاگ جاتے اور برادری میں کوئی اس کے ساتھ مُنہ نہ لگاتے۔“

”اور تم نے اس کے خلاف یہ پرچہ کرا دیا کہ اس نے اپنے خاوند کو زہر دیا ہے“ــــ میں نے کہا۔

”نہیں“ــــ اس نے کہا ــــ ”میری رپورٹ غلط تو نہیں۔ یہاں کے ڈاکٹر نے لکھ دیا ہے کہ میرے بھائی کو زہر دیا گیا ہے۔ میں نے اپنی بیوی کی بات مان لی۔ میں اُسے بیوہ نہیں کرنا چاہتا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اپنی بیوی کے ساتھ مجھے کتنی محبت ہے۔ ایسی غیرت مند عورت آپ نے شاید ہی کبھی دیکھی ہو گی۔“

میں نے اُس پر ہر طرف سے حملے کئے مگر وہ یہی کہتا رہا کہ احمد علی کے قتل کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے آخر اسے کہا کہ نادرہ کا تعلق کسی اور آدمی کے ساتھ ہو گیا ہو گا جس نے اُسے کہا ہو گا کہ اپنے خاوند کو زہر دو اور میرے ساتھ بھاگ چلو۔ نادرہ نے یا اُس کے دوسرے آشنا نے احمد علی کو بھی ختم کرنا ضروری سمجھا ہو گا“ــــ میں نے اُس سے پوچھا ــــ ”کیا تم اس

آدمی کو جانتے ہو؟“

”نہیں“ــــ اس نے جواب دیا۔

عورت جو غیرت مند تھی

اُسے باہر بھیج کر اُس کی بیوی قاسمہ کو اندر بلایا۔ اس کے متعلق مجھے ہر کسی سے یہی رپورٹ ملی تھی کہ غیرت مند اور دلیر عورت ہے۔ اُس کا قد کھڑا تھا۔ اس کا رنگ نادرہ کی طرح صاف نہیں تھا اور نقش و نگار بھی نادرہ کی طرح نہیں تھے لیکن وہ نادرہ سے زیادہ خوبصورت اور دل کش لگتی تھی۔ اُس کے چہرے پر اُس کی روح کی پاکیزگی کا اثر تھا۔ نادرہ کی آنکھیں مستانی اور نشیلی سی تھیں لیکن جو چمک قاسمہ کی آنکھوں میں تھی اس میں جادو کا سا اثر تھا۔ اس کی عمر تیس سال سے کم تھی۔

میں اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تین چار روز پہلے اس کا خاوند غفور ایک دو دِنوں کے لئے کہیں باہر گیا تھا؟ مجھے یہ توقع تو ہرگز نہیں تھی کہ وہ مجھے فوراً بتا دے گی کہ احمد علی کو اس کے خاوند نے قتل کیا یا کرایا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اُس پر یا اس کے خاوند پر کوئی شک نہیں کر رہا، کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ اُس جیسے اور اُس کے خاوند جیسے غیرت مند لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور میں اُن کو اپنا دوست سمجھا کرتا ہوں۔

”قاسمہ!“ــــ میں نے اُسے کہا ــــ ”تم نے اپنے خاوند سے کہا تھا کہ وہ احمد علی کو قتل نہ کرے کیونکہ تمہیں ڈر تھا کہ وہ پھانسی چڑھ جائے گا اور تم بیوہ ہو جاؤ گی، مگر اُس نے تمہاری بات نہیں مانی۔ اُس نے احمد علی کو قتل کر دیا ہے۔ اگر تم بیوگی سے بچنا چاہتی ہو تو میں جو کچھ بھی پوچھوں وہ سچ بتا دو۔“

”یہ بالکل جھوٹ ہے“ــــ اُس نے بڑی دلیری سے کہا ــــ ”میرا خاوند اتنا اوچھا نہیں کہ چوروں کی طرح کسی کو قتل کر دے اور وہ مجھے دھوکہ نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے سکتا۔ ہماری روحیں ایک ہیں اور ہماری نیت ایک ہے۔ آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ احمد علی کو میرے خاوند نے قتل نہیں کیا۔ اب آپ مجھے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیں۔ میں یہی کہتی رہوں گی جو میری زبان سے نکل چکا ہے۔"

"اتنی دلیر نہ بنو قاسمہ!"— میں نے کہا— "مجھے دوسروں سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"میری بات سن لو تھانیدار جی!"— اُس نے کہا— "میں نے سُنا ہے آپ کو نادرہ کے بھائیوں نے جھولیاں بھر کر رشوت پیش کی ہے۔ میں ایک پیسہ آپ کے آگے نہیں رکھوں گی۔ ہم دونوں کو تھانے بٹھا لو اور دوسروں سے معلوم کر و کیا معلوم کرتے ہو۔ مجھے نادرہ نہ سمجھ لینا۔"

"کیا تم نے احمد علی کی بیوی کو دھمکی دی تھی کہ اپنے خاوند کو زنجیر ڈالو، ورنہ...."

"ہاں!"— اُس نے میری بات کاٹ دی— "میں نے اُسے کہا تھا کہ اپنے خاوند کی لاش ڈھونڈتی پھرو گی، مگر عورت ہماری بے غیرت تھی۔ ہم کسی کے آگے کیا سر اُٹھاتے۔ میری اور نادرہ کی لڑائی بھی ہوتی تھی۔ دونوں بھائیوں کی بول چال بند رہی۔ چوہدری صادق کی غیرت تو چرس نے ختم کر دی تھی۔"

مجھے اس عورت پر غصہ آنا چاہیئے تھا مگر اس نے میرا دل موہ لیا۔ کردار پاک ہو تو انسان میں دلیری اور اخلاقی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے اُسے سوالوں کی صورت میں بہت چکر دیئے مگر اُس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلا جو عفور کے خلاف میرا شک پختہ کر دیتا۔ وہ گردن تان کر بات کرتی تھی۔ میں نے میاں بیوی کو گھر بھیج دیا۔ مجھے اپنے دوسرے ذرائع استعمال کرنے تھے۔

دُودھ اور خاص نوکرانی

اگلے روز ایک تو احمد علی کی لاش کے پوسٹمارٹم کی رپورٹ ملی اور

ذرا دیر بعد ولی سے چوہدری صادق کی رپورٹ بھی آگئی۔ اس سے تصدیق ہو گئی کہ چوہدری صادق کی موت زہر سے واقع ہوئی ہے: احمد علی کے جسم پر میں نے زخموں کے جو نشان دیکھے تھے، پوسٹمارٹم رپورٹ میں وہی لکھے تھے۔ ڈاکٹر نے موت کا وقت چار یا پانچ روز پہلے کا لکھا تھا۔ یہ وہ دن تھا جس صبح وہ گھوڑی پر دُور سے پر روانہ ہُوا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہُوا کہ وہ راستے میں قتل ہو گیا۔ کسی گاؤں میں نہیں پہنچ سکا۔

اب میں بیک وقت قتل کی دو وارداتوں کی تفتیش کر رہا تھا۔ خانہ بدوشوں کو میں نے اپنے اے۔ ایس۔ آئی کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ ان سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے اپنی رائے دی کہ خانہ بدوش صاف معلوم ہوتے ہیں، لیکن میں نے اُسے کہا کہ وہ اُن کے پیچھے پڑا رہے۔ بادریتے اتنی آسانی سے جُرم کا اقبال کرنے والے نہیں تھے۔

اگر آپ کو احمد علی کے بیٹے سلیم کی گمشدگی کی تفتیش یاد ہے تو آپ کو وہ مسلن یاد ہو گی جو احمد علی اور نادرہ کے درمیان رابطے کا کام کرتی تھی۔ اُس نے مجھے راز کی کچھ باتیں بتا دی تھیں۔ میں تو اب تنکوں کے سہارے ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے مسلن کو بلا لیا۔ پہلی تفتیش کی طرح اب بھی میں نے اُس کے آگے پانچ روپے کا ایک نوٹ رکھ دیا اور اسے کہا کہ اُسے جو کچھ معلوم ہے مجھے بتا دے اور اُسے مزید انعام ملے گا، اور اگر اس نے کچھ چھپانے کی کوشش کی اور وہ باتیں دوسروں سے معلوم ہوئیں تو اُسے سزا ملے گی۔

میں نے اُس پر سوال جواب کا سلسلہ شروع کر دیا مگر جو میں معلوم کرنا چاہتا تھا وہ اسے معلوم نہیں تھا۔ مجھے یقین آتا جا رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ نادرہ کے گھر میں کوئی اور نوکرانی ہے جو اُس کے زیادہ قریب ہو؟

"ہاں، ہے"— اُس نے جواب دیا— "اُس کا نام راغو ہے۔ رات کو وہ چوہدرانی (نادرہ) کو مٹھی چاپی کرتی ہے۔ وہ چوہدرانی کی خاص نوکرانی ہے۔ چوہدرانی اُسے ایسے کپڑے پہناتی ہے جن میں وہ نوکرانی نہیں لگتی۔ وہ رات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو چوہدرانی کو دُودھ گرم کر کے پلاتی ہے پھر اُس کی چھٹی ہوتی ہے۔"

میں نے کریدنا شروع کر دیا۔ مسلّن سے کہا کہ وہ ذہن پر زور دے اور چوہدری صادق کی بیماری کے دوران جو باتیں یاد ہیں مجھے بتائے۔ مسلّن نے بہت سی باتیں بتائیں جو میرے لئے بیکار تھیں۔ البتہ ایک بات میرے کام کی معلوم ہوتی تھی۔ مسلّن نے بتایا کہ پہلے روز چوہدری صادق کی طبیعت خراب ہوئی تو اتفاق سے مسلّن اُس کے گھر گئی۔ چوہدری صادق اپنی بیوی نادرہ سے کہہ رہا تھا — "رات دُودھ پینے کے بعد میرے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوتی ہے۔ شاید دُودھ میں کوئی خرابی تھی" — نادرہ نے کہا — "دُودھ میں کیا خرابی ہوگی۔ یہ چرس کا اثر ہے" — رالو نے کہا — "دُودھ تو میں نے گلاس میں ڈالا تھا چوہدری جی! تازہ دُودھ تھا۔"

زہر عموماً دودھ میں دیا جاتا ہے۔ یہ میرا تجربہ اور مشاہدہ تھا کہ کوئی امیر کبیر خاندان کی بیوی اپنے خاوند کو زہر دیتی ہے تو ایک نوکرانی اس کی رازدان ضرور ہوتی ہے۔ اس کیس میں بھی ایک "خاص نوکرانی" کا نام آ گیا اور یہ بھی کہ وہ رات کو چوہدرانی کو دودھ پلاتی ہے۔ میں نے مسلّن کو فارغ کر دیا اور ایک کانسٹیبل کو بھیجا کہ رالو کو بلا لائے۔ میں اس دوران ایک بار پھر نادرہ کے پاس جا بیٹھا اور اُسے منوانے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ روتی تھی، جرم تسلیم نہیں کرتی تھی۔ میں نے یہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ احمد علی کے قتل کی اطلاع ملنے سے پہلے وہ اتنی غمزدہ نہیں تھی۔ یعنی اُسے اپنے خاوند کی موت کا غم نہیں تھا۔ وہ اس لئے روتی تھی کہ پکڑی گئی تھی مگر اب اُس کی سسکیاں رُکتی ہی نہیں تھیں۔ میں اُسے کہتا تھا کہ وہ اقبالِ جرم کر لے اور وہ مجھے کہتی تھی کہ میں اس کے دیور چوہدری غفور کو پکڑ لوں۔ احمد علی کا قاتل وہی ہے۔

"چوہدرانی!" — میں نے اُسے کہا — "آج میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اپنے جُرم کا اقبال کر لو۔ اس وقت کے بعد میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا۔"

اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کے لہجے میں کہا — "میں آپ کو آخری بار کہتی ہوں کہ میں نے اپنے خاوند کو زہر نہیں دیا۔ ہاں خود زہر کھا لینے کا ارادہ کتنی بار کیا لیکن احمد علی کی محبت نے مجھے زندہ رہنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ بھی نہیں رہا۔ مجھے زہر لا دو۔ کھا لوں گی۔ یہی سمجھ لینا کہ آپ نے مجھے سزا دے لی ہے" — اور وہ ایسی روتی کہ اُس کی ہچکی باندھ گئی۔

میں وہاں سے اُٹھ آیا۔ یہ نہ سمجھیں کہ میں اُس کی ان جذباتی باتوں سے متاثر ہو گیا تھا۔ جذبات سے متاثر ہونے والا تھانیدار تفتیش نہیں کر سکتا۔

رالو کا رنگ اُڑ گیا

نادرہ کی خاص نوکرانی رالو تیس سال کے لگ بھگ عمر کی خوبصورت عورت تھی۔ اُس کی آنکھیں گول نہیں لمبوتری تھیں۔ اُس کے ہونٹ ایسے تھے جیسے وہ مسکرا رہی ہو۔ اُس کا چہرہ جوانی سے دمک رہا تھا۔ پولیس اس قسم کی نوکرانیوں کو خوب جانتی پہچانتی ہے۔ میں نے اُسے دیکھتے ہی اپنے آپ سے کہا کہ اس عورت کے سینے میں راز چھپے ہوتے ہیں اور یہ راز کوئی عام آدمی نہیں پا سکتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس پر سیدھا حملہ کروں گا اور اسے کچھ سوچنے کا موقع نہیں دوں گا۔

"رالو! میں نے تمہاری بڑی شہرت سُنی ہے" — میں نے کہا — "سب کہتے ہیں کہ رالو بڑی اچھی عورت ہے۔ اگر میرے ساتھ اچھی رہو گی تو نقد انعام دوں گا۔ میں تم سے وہ باتیں پوچھوں گا جو مجھے پہلے سے معلوم ہیں۔ میں یہ باتیں تمہاری زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔ اگر ہیرا پھیری کرو گی تو بہت نقصان اٹھاؤ گی۔ تمہاری چوہدرانی گرفتار ہو چکی ہے۔ چوہدری صادق مر گیا ہے۔ باقی سب تمہارے دشمن ہیں۔ اپنا آپ بچاؤ، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں آپ کی غلام ہوں سرکار!"— اُس نے کہا — "حکم کریں۔"

"تم جانتی ہو کہ نادرہ اور احمد علی کا درپردہ میل جول تھا"— میں نے کہا — "بولو رالو! ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک ہے جی!"— اس نے کہا۔

"اور تم جانتی ہو کہ نادرہ کا خاوند اُس کا غلام تھا اور نادرہ اُسے دھوکہ دے رہی تھی۔"

"جانتی ہوں"— اُس نے کہا — "یہ بھی سچ ہے۔"

"اور تم جانتی ہو کہ چوہدری صادق زندہ لاش تھا اور وہ نادرہ کے کام کا نہیں تھا۔"

"جانتی ہوں سرکار!"

"اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ چوہدری صادق نے بیماری کے پہلے روز نادرہ سے کہا تھا کہ دودھ پینے کے بعد اُس کی طبیعت خراب ہوتی ہے"— میں نے کہا — "اور تم نے کہا تھا کہ دودھ تم نے ڈالا تھا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے سرکار!"

"اور رالو! اب انکار نہ کرنا۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ جس دُودھ سے چوہدری کی طبیعت خراب ہوتی تھی اس میں زہر ملا ہوا تھا۔"

اُس کا جسم یوں ہلا جیسے اُسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ اس کا رنگ اُڑ گیا اور اس کی آنکھیں ویران ہو گئیں۔ وہ مجھے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ میرے لئے اُس کا یہ ردِعمل کافی تھا۔

میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور آگے ہو کر کہا — "جتنا تم جانتی ہو اس سے زیادہ میں جانتا ہوں .... بولو رالو! ابھی وقت ہے۔ تمہیں بچانے کے لئے میرے پاس گنجائش ہے۔ بشرطیکہ تم بولو۔ میں تمہیں زیادہ سوچنے کا وقت نہیں دوں گا۔"

اُس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے

پھوٹ آئے۔ میں نے اس کی ناک اور ہونٹوں کے درمیان پسینے کے قطرے دیکھے۔ یہ گھبراہٹ کی علامت ہوتی ہے۔

"کالا پانی جانتی ہو؟"— میں نے اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکالنے کے لئے کہا — "تم نے کالا پانی سُنا ہے نا! جن قاتلوں کو عمر قید ملتی ہے انہیں کالے سمندر کے پار بھیج دیتے ہیں۔ تم جوان ہو رالو! خوبصورت بھی ہو۔ وہاں سے جب واپس آؤ گی تو تم بوڑھی ہو چکی ہو گی۔ بال سفید ہوں گے اور تمہارے یہ موتیوں جیسے دانت مُنہ میں نہیں ہوں گے۔"

اُس کے ہونٹ کانپے مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

"ابھی وقت ہے رالو!"— میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا — "میں تمہیں بچا لوں گا۔ ابھی قانون میرے ہاتھ میں ہے۔"

شاید میری ہمدردی کا اثر تھا کہ اس کی زبان ذرا سی ہلی۔ کہنے لگی — "آپ مجھے کس طرح بچا سکتے ہیں؟"

"میں نہیں، تمہارا سچ تمہیں بچاتے گا۔"

اُس نے سر جھکا لیا اور اچانک سر اُٹھا کر بولی — "مجھے معلوم نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"

اُس کے چہرے کی گھبراہٹ اور اُس کا یہ پوچھنا کہ میں اُسے کس طرح بچا سکتا ہوں، واضح ثبوت تھا کہ وہ جُرم میں شریک ہے۔ اُس نے یہ جو کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں، یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہر ملزم اقبالِ جُرم سے پہلے ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے۔ پولیس جانتی ہے کہ ملزم کو اس مرحلے سے کس طرح نکال کر اقبالِ جُرم تک لایا جاتا ہے۔ یہ کامیابی تشدد کے بغیر بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

وہ بہت تڑپی لیکن ....

میں وعدہ معاف گواہ بنانے کا قائل نہیں تھا۔ بیشک وعدہ معاف گواہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنانے سے تھانیدار کا کام آسان ہو جاتا ہے لیکن میرا اُصول کچھ اور تھا۔ وعدہ معاف گواہ اُس کیس میں بنایا جاتا ہے جس میں زیادہ ملزم ہوں اور ثبوت اور شہادت کی کمی ہو۔ ان ملزموں میں سے ایک کو اس شرط پر معافی دے دی جاتی ہے کہ وہ اقبالِ جُرم کر کے ثبوت اور شہادت مہیا کرے۔ میں اس بنا پر وعدہ معاف گواہ کا قائل نہیں تھا کہ بعض اوقات کورٹ میں جا کر وعدہ معاف گواہ منحرف ہو جاتے ہیں اور سارا کیس تباہ ہو جاتا ہے، یعنی تمام ملزم بری ہو جاتے ہیں۔ دوسری خرابی یہ کہ ایک مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ میں کسی مجرم کی حوصلہ افزائی کرنے سے گریز کیا کرتا تھا۔

یہ کیس مجھے ایسا نظر آ رہا تھا جس میں وعدہ معاف گواہ ضروری معلوم ہوتا تھا۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، کوئی شہادت نہیں تھی۔ وہ برتن نہیں تھا جس میں زہر دیا گیا۔ رالو کو وعدہ معاف گواہ بنانے کی میں نے اس لئے بھی سوچی تھی کہ یہ "بڑے" لوگ، جاگیردار، زمیندار اور وڈیرے نوکروں چاکروں سے جرم کراتے یا اپنے گناہوں میں انہیں استعمال کرتے ہیں اور یہ نوکر چاکر محض روٹی کپڑے اور تھوڑے سے نقد انعام کی خاطر جُرم کرتے رہتے ہیں، اور جب ان میں سے کوئی پکڑا جاتا ہے تو اُسے بچانے کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔

رالو اگر کسی شریف اور باوقار گھرانے میں نوکرانی ہوتی تو وہ شریف اور باوقار ہوتی۔ وہ ایسی عورت کی نوکرانی بنی جو شریف نہیں تھی۔ وہ رالو کو رازدان بنا کر اپنی ایک خفیہ زندگی گزار رہی تھی اور وہ رالو کو (مسلن کے بیان کے مطابق) بڑے قیمتی کپڑے اور پیسے دیتی تھی۔ لہٰذا رالو اُس کے گناہوں میں شریک ہو گئی۔ قانون اُسے مجرم ہی کہتا تھا لیکن میں نے انسانی جذبات کے تحت اُس کے کردار کو دیکھا تو وہ مجھے بے قصور نظر آئی۔ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے پیٹ کی خاطر اپنی مالکن کو خوش کر رہی تھی۔

میں نے اُسے کہا کہ وہ وعدہ معاف گواہ بن جائے۔ اُسے اچھی طرح سمجھایا کہ وعدہ معاف گواہ کیا ہوتا ہے اور یہ بھی کہ اُسے سزا نہیں ملتی مگر

وہ زنانی۔ میں بہرحال اُسے جُرم میں شریک سمجھنے لگا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ اسے حوالات میں بند کر دو۔ وہ بہت تڑپی۔ فرش پر لیٹ گئی۔ اُسے گھسیٹ کر زنانہ حوالات میں بند کر دیا گیا۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل اور اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ اسے اقبالِ جُرم کے لئے اور وعدہ معاف گواہ بننے کے لئے تیار کرو۔ میں نے سختی سے کہا کہ اس پر ذرا سا بھی تشدد نہ ہو۔

احمد علی کے قتل کی تفتیش الگ تھی۔ میرے مخبر اِدھر اُدھر سے خبریں لا رہے تھے۔ نمبردار بھی اسی کام میں مصروف تھا مگر کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ باہر خانہ بدوشوں نے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ اُن کی عورتیں ڈھیٹ اور بے حیا تھیں۔ بے حد گندی بکواس کرتی تھیں۔ ان سب پر مجھے ذرا تشدد کرنا پڑا اور انہیں کہا کہ میں سب کو جیل کی حوالات میں بھیج دوں گا۔ نادرہ کے عزیز و اقارب الگ میرے پیچھے پڑے ہوتے تھے۔

کیا رالو دھوکہ دے گئی؟

میں نے نادرہ کو اپنے دفتر میں بلایا اور بٹھا لیا۔ میں اس سے اُن باتوں کی تصدیق کرانا چاہتا تھا جو مسلن اور رالو سے مجھے معلوم ہوئی تھیں۔

"چوہدرانی! تمہاری رات کی نوکرانی رالو حوالات میں بند ہو گئی ہے" — میں نے کہا۔

وہ چوہدرانیوں والے غصے میں آ گئی۔ بولی — "تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ معلوم نہیں تمہیں کس نے تھانیدار بنا دیا ہے۔ تم عفورے کا کھا کر ایک بے گناہ عورت کو پریشان کر رہے ہو۔ رالو بے چاری کو تم نے کیوں دھر لیا ہے؟"

معلوم نہیں کیوں میں ہنس پڑا۔

"میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے" — اُس نے کہا — "کیا میں نے اپنی اور احمد علی کی کوئی بات چھپائی ہے؟ مجھ سے یہ بھی سُن لو کہ مجھے اپنے خاوند کے مرنے کا ذرا سا بھی رنج نہیں۔ مجھے احمد علی کے مرنے کا غم کھا رہا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

....اور پوچھو کیا پوچھتے ہو؟"

میں نے غصّے کا جواب غصّے سے نہ دیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کہہ سُن کر اُس کا غصّہ ٹھنڈا کر دیا اور اُس سے پوچھا کہ چوہدری صادق نے شکایت کی تھی کہ دُودھ پی کر اُس کی طبیعت خراب ہوتی ہے، پھر طبیعت ایسی خراب ہوتی کہ وہ چل بسا۔

"یہ بات رالو نے بتاتی ہوگی"— اُس نے کہا — "اس میں کوئی راز نہیں۔ چوہدری نے ایسے ہی کہا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کہ دُودھ میں کیا خرابی ہو سکتی ہے، یہ چرس کا اثر ہے۔"

"اور رالو نے کہا تھا کہ دُودھ تو میں نے ڈالا تھا...."

"ہاں، اُس نے یہی کہا تھا"— اُس نے جواب دیا۔

"اب ذرا ہوش میں آؤ چوہدرانی!"— میں نے اُسے کہا — "مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ میں زبردستی یہ ثابت نہیں کرنا چاہتا کہ خاوند کو تم ہی نے زہر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اور نے دیا ہو۔"

"لیکن کون کہتا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے؟"

"ڈاکٹروں نے لکھا ہے"— میں نے کہا — "اب کوئی شک نہیں رہا۔ دِلی کے انگریز ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ تمہارے خاوند کو زہر دیا گیا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ زہر کس نے دیا ہے۔ تم میری مدد کرو، میں تمہاری مدد کرتا ہوں .... رالو نے کہا تھا کہ دُودھ اُس نے ڈالا اور تمہارے خاوند کو پلایا تھا۔ تمہیں یہ تو معلوم نہیں کہ اُس نے دودھ میں کچھ ملا دیا ہو۔"

"اُس نے وہ دودھ میرے لئے گلاس میں ڈالا تھا"— نادرہ نے کہا — "لیکن وہ میرے خاوند نے پی لیا"— اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا — "رات کا وقت تھا۔ رالو میرے لئے گلاس میں دودھ ڈال کر لائی۔ گلاس ابھی اُس کے ہاتھ میں تھا کہ محلّے کے کسی گھر سے عورتوں کے رونے کی بڑی اُونچی آوازیں آئیں۔ ایک آدمی بیمار تھا۔ اُس کی بیوی کے میرے ساتھ گہرے تعلقات ہیں۔ میں سمجھی وہ مر گیا ہے۔ میں اُٹھ دوڑی۔ رالو بھی میرے پیچھے اُس گھر

میں پہنچ گئی۔ وہ آدمی مرا نہیں تھا۔ غشی میں چلا گیا تھا۔ عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں اور وہ لوگ ڈاکٹر کو بلا لاتے۔ میں اور رالو گھر آ گئیں۔ میرے خاوند نے رالو سے کہا — 'وہ دُودھ میں نے پی لیا ہے، اس کے لئے اور گرم کر لاؤ'— رالو دوسرے گلاس میں دودھ لے آئی جو میں نے پی لیا۔"

"رالو پہ تمہیں بہت بھروسہ ہے؟"— میں نے ایک شک کی بنا پر پوچھا۔

"کیا آپ کو یہ شک ہے کہ رالو نے دودھ میں زہر ملایا ہوگا؟"— نادرہ نے کہا — "ایسا نہیں ہو سکتا۔ رالو مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

میرا دماغ چکرانے لگا۔ کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کون کسے مارنے کی کوشش میں تھا۔ نادرہ سے میں نے کہا کہ وہ سوچے اور جو کچھ اُسے یاد آتا ہے اور جو کچھ وہ جانتی ہے مجھے بتائے۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ رالو اُس کی رشتہ دار نہیں۔ وہ نوکرانی ہے جس کی دلچسپی اپنے پیٹ اور اپنی ضروریات کے ساتھ ہے۔

"ذہن سے یہ وہم اور خدشہ نکال دو کہ میں کسی کے کہنے پر تمہیں پریشان کر رہا ہوں"— میں نے ہمدردی کے لہجے میں اُسے کہا — "اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ تمہارے خاوند کو زہر دیا گیا ہے، اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ زہر اُس دودھ میں تھا جو غلطی سے تمہارے خاوند نے پی لیا تھا۔"

اُس نے ماتھا سیکڑ لیا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ہاں"— اُس نے میری طرف دیکھے بغیر یوں کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہی ہو — "رالو کے ساتھ میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں"— اُس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے میرے چہرے پر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دبی سی آواز میں بولی — "مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب میرے خاوند نے کہا تھا کہ وہ دودھ اُس نے پی لیا ہے تو رالو نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا — "ہائے چوہدری جی! وہ آپ نے پی لیا ہے؟" — میں نے کہا تھا — "تو کیا ہُوا۔ پڑا پڑا ٹھنڈا ہو جاتا" — تب میرے خاوند نے کہا تھا — "اسے اور دودھ گرم کر دو" — اور وہ میرے لئے دودھ لے آئی تھی"۔
اُس نے آگے ہو کر میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "کیا میری نوکرانی کے ہاتھوں کسی نے مجھے زہر پلانا چاہا تھا؟"

اُس کا دم خم ختم ہو چکا تھا۔ اُس نے رانو کی یہ بات سُنا کر مجھے ایک اور شک میں ڈال دیا۔ میں نے اسے کہا — "معلوم یہی ہوتا ہے کہ کسی نے زہر تمہیں دینا چاہا تھا مگر تمہارا خاوند پی گیا... تمہیں کس پر شک ہے؟"
"ایک تو قاسم ہے" — اس نے کہا — "اور دوسری احمد علی کی بیوی"۔

میں نے اسے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔ سوچ سوچ کر میرا یہ حال ہو گیا تھا کہ سر دُکھنے لگا تھا۔ مجھے ذرا آرام کی ضرورت تھی۔ اونگھ آ رہی تھی۔

کلہاڑیاں، ٹوکہ اور کپڑے

میری قسمت میں آرام نہیں تھا۔ میرے علاقے کے ایک گاؤں کا نمبردار ایک آدمی کو ساتھ لئے آ گیا۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے مخبر سرگرم تھے اور نمبرداروں کو بھی میں نے چوکس کر رکھا تھا۔ نمبرداروں کا اپنا سراغرسانی اور جاسوسی کا نظام تھا۔ قصبے کے ایک قریبی گاؤں کے ایک آدمی نے زراعت انسپکٹر کے قتل کی خبر سُن لی تھی۔ وہ نمبردار کا قریبی آدمی تھا۔ اُس نے نمبردار کو بتایا کہ ایک دن وہ شہر (میرے تھانے والے قصبے) کو پیدل جا رہا تھا۔ اُس نے تین آدمی دیکھے جو برساتی نالے میں کلہاڑیاں اور ایک ٹوکہ ریت پر رگڑ رہے تھے۔ وہاں نالے کے کنارے دیواروں کی طرح اُونچے تھے۔ پانی تھوڑا تھا۔ صرف ایک کنارے کے ساتھ جہاں سے نالہ

مُڑتا تھا، پانی جمع تھا۔ اِدھر اُدھر کوئی آبادی نہیں تھی۔

وہ آدمی انہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے شاید نہیں دیکھ سکے ہوں گے۔ تینوں نے کپڑے اتارے اور دھونے لگے۔ وہ آدمی یہ نہیں دیکھ سکا کہ ان کے کپڑوں پر خون تھا یا نہیں۔ وہ بالکل ننگے ہو گئے تھے۔ وہ آدمی ذرا قریب سے گزرا تو اُس نے تینوں کو پہچان لیا۔ وہ چوہدری غفور کے مزارعے تھے۔

میں نے اس آدمی سے بہت کچھ پوچھا اور اُس سے دن بھی پوچھا۔ اُس نے وہی دن بتایا جس دن احمد علی قتل ہُوا تھا۔ اس آدمی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف سے آئے اور نالے میں اُترے تھے۔ اس آدمی نے مجھے ایسی معلومات دیں جن سے میرا مسئلہ حل ہو گیا یا شاید مجھے وہم سا ہُوا کہ میرا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اگر چوہدری غفور کے مزارعے کلہاڑیاں اور ٹوکہ ریت پر رگڑ رہے تھے اور انہوں نے کپڑے اُتار کر نالے میں دھوتے تھے تو وہ احمد علی کو قتل کر کے آئے تھے اور قتل کرانے والا چوہدری غفور تھا۔

میں نے اُسی وقت ہیڈ کانسٹیبل اور چند ایک کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا اور مزارعوں کے گھروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُن کے گھر قصبے کے ساتھ ہی تھے۔ درمیان میں کھیت تھے۔ آگے جا کر ان کے کچے کچے کوٹھے تھے۔ قصبے کے نمبردار کو میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ چوہدری غفور کے مزارعے چار گھرانے تھے۔ میں نے چاروں کے مردوں کو کھیتوں سے بلا لیا۔ ان کی تعداد بارہ تیرہ تھی۔ جس آدمی نے انہیں دیکھا تھا اُس سے پوچھا کہ ان میں وہ تین کون تھے۔ اُس نے بڑی آسانی سے وہ تین مزارعے الگ کر دیئے۔ تینوں جوان تھے۔

میں ایک کو پرے لے گیا اور اُس سے پوچھا — "اُس روز جو کلہاڑی یا ٹوکہ تم نالے میں ریت سے صاف کر رہے تھے اور جو کپڑے تم نے دھوتے تھے وہ فوراً میرے حوالے کر دو .... تمہارے پاس کلہاڑی تھی یا ٹوکہ؟"

اُس نے بڑی دھیمی آواز میں کہا — "کلہاڑی"۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں دو کانسٹیبلوں کے ساتھ اُس کے گھر میں گھس گیا۔ اُس نے ایک کلہاڑی میرے حوالے کر دی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس نے کون سے کپڑے دھوتے تھے۔ اُس نے اپنے پہنے ہوئے کُرتے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُس کا کُرتہ اتروا لیا۔ اُس نے جو چادر باندھ رکھی تھی، وہ بھی اُس نے دھوئی تھی۔ میں نے وہ بھی اُس سے لے لی۔ پھر اُس کے گھر کی تلاشی لی۔ کاغذی کارروائی مکمل کی۔ دو گواہوں کے انگوٹھے لگواتے اور میں باہر نکل آیا۔

دوسرے دو مزارعے باہر کھڑے تھے۔ انہوں نے جب میرے ہاتھ میں کلہاڑی، کُرتہ اور چادر دیکھی تو اُن کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ وہ غریب آدمی کراتے کے قاتل تھے۔ میں نے دوسرے کو الگ کیا اور اُسے کہا ــــ "تمہارے ساتھی نے ساری بات بتا دی ہے۔ کلہاڑی اور وہ کپڑے بھی دے دیئے ہیں جن پر خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ تم بھی اپنا ہتھیار اور وہ کپڑے دے دو۔ میں تمہارے ساتھ بھی وہی رعایت کروں گا جو اس کے ساتھ کر رہا ہوں۔ بالکل نہ گھبراؤ۔"

اُس نے سدھائے ہوئے جانور کی طرح مجھے اپنے گھر میں چلنے کا اشارہ کیا اور ایک لوٹا کر نکال کر مجھے دے دیا۔ میں نے اس سے وہ کپڑے مانگے جو اُس نے نالے میں دھوتے تھے۔ اُس نے دو گواہوں کے سامنے کھدر کی ایک چادر اور کھدر کا ایک کُرتہ میرے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں کپڑے کمرے میں بندھی ہوئی ایک رسّی پر پڑے تھے۔

باہر آ کر تیسرے کو الگ کیا اور اس کے آگے بھی جھوٹ بولا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ساری بات بتا دی ہے اور میں ان کی بہت مدد کروں گا۔ وہ کلہاڑی جو تم نے ریت سے صاف کی تھی اور جو کپڑے نالے میں دھوتے تھے، اندر چل کر میرے حوالے کر دو۔ وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح مجھے اندر لے گیا اور ایک کلہاڑی، ایک کُرتہ اور ایک چادر مجھے دے دی۔

میں نے ان کے بھی مشیر نامے تیار کئے اور ان پر گواہوں کے انگوٹھے لگوا لئے۔

تینوں نے جھوٹ بولا

میں بہت خوش تھا کہ میں نے شکار مار لیا ہے۔ میری اس کارروائی کے دوران چوہدری غفور بھی وہاں آ گیا تھا۔ اُس نے مجھے بے تکلفی سے سلام کیا اور میں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا تھا، پھر وہ نمبردار کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ میں نے وہیں مزارعوں سے اقبالی بیان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نمبردار کی ڈیوڑھی میں جا بیٹھا اور ایک مزارعے کو اندر بلایا۔ اسے کہا کہ وہ پوری تفصیل سے سُنا دے کہ اس نے اپنے ان دو ساتھیوں کے ساتھ زراعت انسپکٹر کو کہاں اور کس طرح قتل کیا ہے اور قتل کس نے کرایا ہے۔

"نہ حضور!" ــــ اس نے معصومیت سے جواب دیا ــــ "ہماری زراعت انسپکٹر کے ساتھ کیا دشمنی تھی کہ ہم اُسے قتل کرتے۔"

"پھر تم نے نالے میں کپڑے کیوں دھوتے تھے؟" ــــ میں نے پوچھا ــــ "اور کلہاڑی کیوں صاف کی تھی؟ کیا ان پر خون نہیں تھا؟"

"نہ جی، خون کیسا؟" ــــ اُس نے کہا ــــ "ہم تو صبح صبح ایک درخت کاٹنے گئے تھے۔ واپس آتے تو نالے میں نہانے اور کپڑے دھونے اُتر گئے۔ سب کہنے لگے کہ ریت سے کلہاڑیوں کے پھل چمکا لیتے ہیں۔"

میں پریشان ہو گیا۔ یہ مزارعہ بڑا چالاک اور مکار نکلا۔ مجھے خیال آیا کہ چوہدری غفور آ گیا تھا۔ اُس نے اشارہ کر کے انہیں پکا کر دیا ہے اور ان تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کر لیا ہے۔

میں نے دوسرے مزارعے کو اندر بلا کر وہی سوال کیا جو پہلے سے کیا تھا۔ اُس نے بھی حیران ساہو کے کہا کہ وہ ایک درخت کاٹنے گئے تھے۔ اسے ایک طرف کر کے میں نے تیسرے کو اندر بلایا اور اُس سے بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہی پوچھا جو اُس کے ساتھیوں سے پوچھا تھا۔ یہ آدمی خاصا احمق ثابت ہُوا۔ وہ شاید اپنے ساتھیوں کا یا چوہدری غفور کا اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ کہنے لگا کہ ایک کھیت کے کنارے اُونچے کرنے تھے۔ وہ کر کے واپس آتے اور نالے میں نہانے کے لئے اُتر گئے۔

"کنارے کلہاڑیوں اور ٹوکے سے اُونچے کئے جاتے ہیں؟"— میں نے پوچھا۔

"نہیں جی!"— اُس نے جواب دیا— "ہمارے پاس دو کدالیں تھیں۔"

اس سے پہلے کدالوں کا ذکر نہیں آیا تھا۔ جس آدمی نے انہیں نالے میں دیکھا تھا اُسے کدالیں نظر نہیں آتی ہوں گی۔ معلوم نہیں ان کے پاس کدالیں تھیں یا نہیں۔ میں نے اس مزارع سے کہا کہ وہ چل کر دونوں کدالیں مجھے دکھا دے۔ وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ ایک کدال اپنے گھر سے دی اور دوسری اپنے ایک ساتھی کے گھر سے۔ میں اسے واپس نمبردار کی ڈیوڑھی میں لے آیا اور اسے کہا کہ اب وہ مجھے اُس کھیت تک لے چلے جس کے انہوں نے کنارے اُونچے کیے تھے۔

اُسے وہیں کھڑا چھوڑ کر میں نے اس کے ایک ساتھی کو الگ کر کے کہا کہ مجھے وہاں لے چلو جہاں تم نے درخت کاٹا ہے۔ اس سے ہٹ کر میں نے تیسرے سے کہا کہ وہ مجھے اُس جگہ لے چلے جہاں اُس نے درخت کاٹا ہے۔ بڑا دلچسپ منظر تھا۔ تینوں ایک دوسرے سے دُور دُور بُت بنے کھڑے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں نے سب سے الگ الگ کیا کہا ہے۔ میں نے تینوں سے کہا— "چلو۔ میں نے کیا کہا ہے چل پڑو"— وہ کھڑے رہے۔ یہ ثبوت تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

میں نے تینوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ جس نے کہا تھا کہ ایک کھیت کے کنارے اُونچے کئے تھے، اُس کے چہرے پر سب سے زیادہ گھبراہٹ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کی ٹانگیں اُس کے جسم کا وزن اُٹھا نہیں سکیں

گی۔ میں نے ڈیوڑھی کی طرف اشارہ کر کے اُسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ ڈرے ہُوئے جانور کی طرح میری طرف دیکھتا اندر چلا گیا۔

موت کے ویرانے میں

میں نے ڈیوڑھی میں جا کر اُسے کہا— "دیکھ لیا جھوٹ کا نتیجہ؟ کہاں ہے وہ کھیت؟ .... دوسروں کے لئے پھانسی چڑھنا چاہتے ہو؟ سچی بات بتا دو اور وعدہ معاف گواہ بن جاؤ۔"

وہ غریب آدمی میرے پاؤں پر گر پڑا اور رونے لگا۔ میں نے اُسے اُٹھایا۔ شفقت سے اُس کے ساتھ بات کی۔ ہمدردی اور دوستی کا اظہار کیا۔ اُسے تسلی دی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس قسم کے ملزم کی زبان کس طرح کھلوائی جاتی ہے۔ قتل ہضم کرنا ممکن نہیں ہوتا اور ایک غریب مزارع کسی تھانیدار کو زیادہ دیر تک چکمہ نہیں دے سکتا۔ ملزم کی اس حالت میں تھانیدار کے تشدد سے کہیں زیادہ ہمدردی کام کرتی ہے۔

"جناب!"— اُس نے کہا— "زراعت انسپکٹر کو ہم تینوں نے قتل کیا ہے اور یہ قتل چوہدری غفور نے کرایا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں جناب! دو دو سَو روپیہ اور نئے کپڑوں کا ایک ایک جوڑا ہم جیسوں کے لئے معمولی انعام نہیں ہوتا .... کیا آپ مجھے سزا سے بچا سکتے ہیں؟"

"بالکل بچا سکتا ہوں"— میں نے کہا— "تم نڈر ہو کر ساری بات سنا دو۔"

اُس نے قتل کی کہانی یوں سنائی— ایک روز چوہدری غفور نے ان تینوں کو بلا کر بھُنا ہُوا گوشت کھلایا اور دودھ پلایا اور تینوں کے آگے دو دو سَو روپیہ رکھ کر کہا کہ زراعت انسپکٹر کو قتل کرنا ہے۔ اُس نے ایک ایک جوڑا کپڑوں کا بھی وعدہ کیا۔ اُس نے ان تینوں کو خوب ہوا دی اور انہیں دلیر اور بہادر اور اپنا بھائی کہا۔ تینوں تیار ہو گئے۔ رات کو وہ

تینوں کو اُس جگہ لے گیا جہاں سے لاش برآمد ہوئی تھی۔ اُس کے پاس ٹارچ تھی اور چاندنی بھی تھی۔ اُس نے لاش غائب کرنے کی وہ جگہ منتخب کی جہاں سے ہمیں لاش ملی تھی۔

چوہدری غفور نے انہیں ایک جگہ گھات لگانے کو دکھائی اور ان میں سے ایک کو پگڈنڈی پر کھڑے رہنے کو کہا اور اسے بتایا کہ زراعت انسپکٹر دَورے پر جا رہا ہے اور وہ اس پگڈنڈی سے گزرے گا۔ غفور نے اُسے بتایا کہ زراعت انسپکٹر کو کیا چکمہ دے کر ویرانے میں دو آدمیوں کی گھات میں لے جانا اور اُسے قتل کرنا ہے۔ چوہدری غفور نے تینوں کو یقین دلایا کہ قتل کا کوئی کُھرا کھوج نہیں ملے گا اور اگر وہ پکڑے گئے تو تھانیدار اُس کا دوست ہے۔ وہ تینوں کو چھڑا لے گا۔

چوہدری غفور کو پتہ چل گیا تھا کہ زراعت انسپکٹر احمد علی فلاں صبح فلاں طرف دَورے پر جا رہا ہے۔ یہ موقع اچھا تھا۔ اُس نے اپنے ان تین مزارعوں کو قتل کے لئے اس طرح تیار کر لیا کہ تینوں قتل کو ایک کھیل سمجھ بیٹھے۔ اُس زمانے میں دو سو روپیہ بہت بڑی رقم تھی۔ اس کے ساتھ چوہدری غفور کی خوشنودی ان کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔

جس صبح احمد علی کو دَورے پر روانہ ہونا تھا، تینوں بہت سویرے نکل گئے۔ ان کے پاس دو کلہاڑیاں، ایک ٹوکہ (ہاتھ سے چارہ کترنے والا) اور دو کدالیں تھیں۔ وہ قصبے سے تقریباً پانچ میل دور چلے گئے۔ ان میں سے ایک اُس راستے پر کھڑا ہو گیا جس سے احمد علی کو گزرنا تھا اور دو اس راستے سے دور ایک جگہ گھات میں بیٹھے۔

جب احمد علی وہاں سے گزر رہا تھا اُس وقت سورج نکل آیا تھا۔ ایک مزارع اُسے مِلا اور اُسے روک کر کہا کہ وہ چوہدرانی نادرہ کا مزارع ہے اور اُس کے ساتھ آیا ہے۔ چوہدرانی خانقاہ پر آئی ہے۔ اُس نے مجھے کہا ہے کہ جا کر اس راستے پر کھڑا ہو جاؤں۔ آپ گزریں گے تو آپ کو اِدھر بلا لاؤں۔

احمد علی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ اُس نے سوچے سمجھے بغیر گھوڑی کا رُخ اُدھر کو کر دیا۔ مزارع نے احترام سے گھوڑی کی باگ پکڑ لی اور آگے آگے چل پڑا۔ وہ اُسے عام راستے سے ہٹا کر موت کے اُس ویرانے کی طرف لے گیا جو نیچے چلا جاتا اور دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ مزارع نے مجھے بتایا کہ احمد علی نے اس سے پوچھا کہ چوہدرانی شاید بہت سویرے گھر سے نکلی ہو گی۔ مزارع نے اُسے بتایا کہ ابھی اندھیرا تھا کہ اسے ساتھ لے کر نکل آئی تھی۔ کہتی تھی کہ کلہاڑی ساتھ لے لو۔ دشمنوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ مزارع نے احمد علی پر اعتبار پکا کرنے کے لئے کہا کہ خانقاہ تک سیدھا راستہ بہت لمبا ہے، اس لئے ہم نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ بڑا خراب علاقہ ہے۔

آگے وہ کٹا پھٹا علاقہ آ گیا جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ وہ پگڈنڈی سے تقریباً ایک میل دور چلے گئے تھے۔ اچانک احمد علی نے مزارع سے غصّے میں کہا — "اوئے ٹھہر ذرا۔ تُو کہاں لے جا رہا ہے مجھے؟" — اُسے شاید کچھ شک ہو گیا تھا۔ مزارع نے اسے کہا — "چوہدرانی ذرا ہی آگے بیٹھی ہوئی ہے" — باگیں مزارع کے ہاتھ میں تھیں۔ احمد علی نے کہا کہ باگیں مجھے دے دے۔ گھات میں بیٹھے ہوئے دو مزارعے قریب ہی تھے۔ مزارع نے باگیں نہ چھوڑیں اور تیز تیز چلنے لگا۔ احمد علی گھوڑی سے اُترنے لگا تو مزارع دوڑ پڑا۔ گھوڑی بھی دوڑنے لگی اور مزارع اُس ذرا گہری جگہ اُتر گیا جہاں کھوجی نے ہمیں گھوڑی اور دو تین آدمیوں کے کُھرے دکھائے تھے۔ اور مٹی پر خشک خون تھا۔

قریب سے ہی دونوں مزارعے اُٹھے۔ انہوں نے احمد علی کے پاؤں رکابوں سے نکالے۔ اُس نے منت سماجت کی، شور بھی مچایا مگر وہاں اُس کی سُننے والا کوئی نہ تھا۔ اُس کی گناہوں کی زندگی ختم اور سزا شروع ہو چکی تھی۔ مزارعوں نے اُس پر کلہاڑیوں کے چار یا پانچ وار کیے۔ اس مزارع کے ہاتھ میں جو مجھے قتل کی کہانی سنا رہا تھا، ٹوکہ تھا۔ اُس نے احمد علی کے کہنے پر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک ہی وار کیا اور لوٹا کر جوڑ تک اُتر گیا۔ احمد علی گرا تو ایک مزارع نے اُس کی پسلیوں پر یوں کلہاڑی ماری جیسے لکڑی چیرنے کے لئے کلہاڑی چلائی جاتی ہے۔

عزت بحال کرنے کے لئے!

چوہدری غفور نے انہیں لاش چھپانے کی جگہ دکھا رکھی تھی۔ یہ قدرتی بنی ہوئی قبر تھی۔ مزارعوں نے لاش اُٹھائی اور اس جگہ رکھ دی۔ یہ جگہ گہرا بھر گہری تھی۔ لاش اس میں فٹ آگئی۔ مزارعے دو کدالیں ساتھ لے گئے تھے۔ ان سے انہوں نے اِدھر اُدھر سے مٹی کھودی اور یہ لمبوترا سا گڑھا بھر دیا۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ قبر نما گڑھے سے آگے سوراخ ہے جہاں سے برسات میں پانی گزرتا ہے۔

چوہدری غفور نے انہیں بڑی سخت ہدایت دی تھی کہ وہ لاش سے کوئی چیز نہ لیں اور گھوڑی کو کھلا چھوڑ دیں۔ انسان کس قدر کم عقل ہے کہ وہ جُرم کرتے بھول جاتا ہے کہ اُوپر خدا دیکھ رہا ہے اور گناہ مٹی میں چھپاتے ہیں جا سکتے۔ مزارعے گھوڑی کو وہیں چھوڑ کر چل پڑے۔ ان کی کلہاڑیوں اور لٹھ کے پر بھی خون تھا اور کپڑوں پر بھی چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایسے راستے سے واپس آتے جدھر انہیں کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے نالے میں اُتر گئے جہاں انہوں نے کلہاڑیوں اور لٹھ کے سے خون ریت سے صاف کیا اور کپڑے اُتار کر دھوئے۔ واپس آکر انہوں نے چوہدری غفور کو بتایا کہ وہ کام کر آئے ہیں۔ اس نے انہیں تسلی دی کہ انہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ اس نے تینوں کو دو دو سو روپیہ اور نئے کپڑے دیئے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ میں جب یہاں آیا تھا تو تینوں نے فوراً لٹھ، کلہاڑیاں اور کپڑے نکال دیئے تھے۔ پھر انہیں کیا ہوا تھا کہ تینوں نے جھوٹ بول دیا کہ انہیں احمد علی کے قتل کا کچھ علم نہیں؟ — اُس نے بتایا

کہ چوہدری غفور نے آکر سب کو اشارہ کر دیا تھا پھر اُس نے قصبے کے نمبردار کے ذریعے انہیں کہا تھا کہ تھانیدار کو کچھ نہ بتانا اور گھبرانا نہیں۔

اس مزارع کو میں نے کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا اور دوسرے کو بلایا۔ اُس نے اقبالِ جرم سے صاف انکار کر دیا۔ تیسرے نے بھی انکار کر دیا۔ میں نے ان پر زور نہ دیا۔ اس کی بجائے اقبالِ جرم کرنے والے کو وعدہ معاف گواہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے میں نے سمجھا دیا کہ وعدہ معاف گواہ کیا ہوتا ہے اور اُسے معافی مل جاتی ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ مجھے بعد میں پتہ چلا تھا کہ میرے ہیڈ کانسٹیبل نے چوہدری غفور کے کہنے پر دونوں مزارعوں سے کہا تھا کہ وہ اقبالِ جُرم نہ کریں۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کے خلاف محکمانہ کارروائی کرائی تھی۔ اُس نے چوہدری غفور سے پیسے لئے اور دونوں مزارعوں کو جو باہر اُس کی حراست میں بیٹھے تھے، پکا کر دیا تھا۔

صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ وعدہ معاف گواہ ضروری تھا۔ میں نے تینوں مزارعوں اور چوہدری غفور کو گرفتار کر لیا۔ اب غفور میرے ایمان کی بولی دینے لگا۔ میں نے انکار کیا تو اُس نے کہا — "ملک صاحب! آپ عزت اور غیرت کو نہیں سمجھتے؟ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی عزت بحال کرنے کے لئے کیا ہے۔"

"چوہدری!" — میں نے اُسے کہا — "اگر میں تھانیدار نہ ہوتا تو احمد علی کو اپنے ہاتھوں قتل کرتا لیکن تھانیداری کا حکم کچھ اور ہے۔ تم نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اُسے ایسے طریقے سے قتل کرتے کہ کھرا کھوج نہ ملتا۔ تم نے مزارعوں سے قتل کرایا۔ یہ لوگ تمہارے لئے کیوں پھانسی چڑھیں گے؟ .... تم جُرم کا اقبال کر دو گے؟"

"نہیں" — اُس نے کہا — "مجھے اقبالِ جُرم کے لئے نہ کہنا۔ مقدمہ لڑوں گا۔ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ مقدمے پر جو پیسہ برباد ہو گا وہ آپ لے لیں اور کوئی راستہ نکالیں۔"

"تمہارا وکیل راستہ نکال لے گا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے شہادت کی ضرورت تھی۔ وعدہ معاف گواہ کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

یہاں میں آپ کو شہادت اور ثبوت کے متعلق ایک دلچسپ بات بتاتا ہوں۔ جس وقت کا یہ کیس ہے اُس وقت تک انگریز ہندوستان میں سراغرسانی اور شہادت کی فراہمی کا ایک کیمیادی طریقہ لے آتے تھے جسے FORENSIC MEDICINE کہتے ہیں۔ اس کی پہلی لیبارٹری لاہور میں بنائی گئی تھی۔ قاتل اپنے کپڑوں سے خون دھو دیا کرتے ہیں۔ دُھل کر کپڑوں پر کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا لیکن کپڑوں پر ایک خاص دوائی لگا دو تو لیبارٹری میں ماہرین نمایاں طور پر خون کے دھبے دیکھ سکتے ہیں۔ خون کے آثار جو نظر نہیں آسکتے کپڑے کے دھاگوں میں محفوظ رہتے ہیں۔

ان مزارعوں نے خون آلود کپڑے صابن سے نہیں دھوئے تھے۔ سوڈا کاسٹک اور پٹرول استعمال نہیں کیا تھا۔ صرف پانی سے رگڑا اور مل کر خون دھو ڈالا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ کپڑے "پولیس فورنسک سائنس لیبارٹری" لاہور میں جائیں گے تو خون کے چھینٹوں کی تصدیق ہو جائے گی۔ قاتلوں نے اپنے ہتھیار ریت سے صاف کر لئے تھے لیکن ٹوکہ ایک ایسا ہتھیار تھا جس پر خون کی موجودگی کا پتہ لاہور لیبارٹری والے چلا سکتے تھے۔ ٹوکے کا پھل (بلیڈ) آگے اور پیچھے سے دستے میں ٹھونکا ہوا ہوتا ہے۔ اس جگہ خون کے چلے جانے کا امکان ہوتا ہے۔ خون اگر خشک ہو جائے تو بھی لیبارٹری کے ایکسپرٹ اس کا سراغ لگا لیتے ہیں۔

میں نے ملزموں کے کپڑوں اور آلاتِ قتل کے الگ الگ پارسل بنوائے اور انہیں دستی لاہور لے جانے کے لئے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو تیار کیا۔

وہ مجھ سے بغلگیر ہو گئی

میں اقبالِ جرم کرنے والے مزارع کو ایک مجسٹریٹ کے پاس لے گیا۔ اس کا اقبالی بیان ریکارڈ کرایا اور اسے وعدہ معاف گواہ بنا دیا چوہدری

غفور اور اس کے دو مزارعوں کا میں نے صرف تین دنوں کا ریمانڈ لیا تھا۔ انہیں صرف ایک بار کہا تھا کہ وہ جرم کا اقبال کر لیں۔ وہ آمادہ نہ ہوئے۔ میں نے انہیں جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا۔

احمد علی کے قتل کی تفتیش ختم ہو گئی۔ اب مجھے شہادت فراہم کرنی اور مقدمہ تیار کرنا تھا۔ قارئین کو اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے کہ میں نے شہادت کس طرح فراہم کی اور گمشدہ کڑیاں کس طرح ملائیں اور خالی خانے کس طرح پُر کئے۔ تین گواہ خانہ بدوشوں میں سے لئے اور ان کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ مقدمہ ختم ہونے تک میرے علاقے میں رہیں۔ اُس دور میں مقدمے سالوں تک نہیں چلتے تھے چند مہینوں میں ختم ہو جاتے تھے۔ خانہ بدوشوں کو بڑی ہی مشکل سے اور بہت بڑا لالچ دے کر پابند کیا ورنہ وہ کہیں سے کہیں نکل جاتے۔

چوہدری غفور کی گرفتاری کی جو خوشی نادرہ کو ہوئی اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اُسے جس کمرے میں بند کر رکھا تھا، میں اس میں گیا تو وہ اُٹھ کر مجھ سے بغلگیر ہو گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے ہٹایا۔ اُس نے دانت پیس کر کہا ــــ "پھانسی چڑھاؤ اس قصائی کو۔ اگر زندہ رہا تو جس روز باہر آئے گا میں اسے قتل کرا دوں گی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے پھانسی چڑھاؤں گا" ــــ میں نے اُس کے ساتھ جھوٹا وعدہ کرتے ہوئے کہا ــــ "پھانسی نہ ہوئی تو کالا پانی ضرور بھیجوں گا مگر چوہدرانی! تم مجھے کیا انعام دو گی؟"

"جو مانگو گے دوں گی" ــــ اُس نے کہا ــــ "نقد مانگو۔ زیور مانگو.... اور...." ــــ وہ مسکرانے لگی۔ میں اس مسکراہٹ کو سمجھتا تھا۔

"مجھے اس کے سوا کوئی اور انعام نہیں چاہیئے کہ مجھے یہ بتا دو کہ تمہارے خاوند کو زہر کس نے دیا ہے؟"

وہ مایوس ہو کر بجھ گئی۔ ذرا دیر بعد بولی ــــ "کیا آپ کو ابھی تک یقین نہیں آیا؟ میں تو یہ سمجھنے لگی ہوں کہ رالو کے ہاتھ سے مجھے زہر دینے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ میرے خاوند نے پی لیا۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اگر ایسا ہی ہُوا ہے تو مجھے چوہدری غفور کی بیوی قاسمہ اور احمد علی کی بیوی پر شک ہے۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ سوچو اور یاد کرنے کی کوشش کرو"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "کیا رالو کا میل جول قاسمہ کے ساتھ بھی تھا؟"

"وہ ان کے گھر آتی جاتی تھی"۔۔۔ نادرہ نے جواب دیا۔۔۔ "آپ کو مسلن شاید بتا سکے کہ قاسمہ اور رالو کا میل جول گہرا تھا یا نہیں۔"

مسلن تو پہلے ہی میرے ذہن میں تھی۔ وہ بڑی اچھی مخبر ثابت ہوتی تھی۔ میں نے اُس کے خاوند کو بلا کر مسلن کی تعریف کی، حوصلہ افزائی کی اور اسے کچھ پیسے دیتے تھے اور میں نے اسے کہا تھا کہ کوئی اُس سے پوچھے کہ اُسے تھانے کیوں بلایا گیا تھا تو کہنا کہ تھانیدار نے گالیاں دی ہیں اور کہتا تھا کہ تم چوہدریوں کے خاندان کو بدنام کرتے پھرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ میں نادرہ کو خاوند کے قتل میں بے گناہ سمجھنے لگا تھا۔ میں آپ کو نہایت مختصر باتیں سُنا رہا ہوں۔ ان چند دنوں میں بہت سے مردوں اور عورتوں سے میں نے پوچھ گچھ کی تھی۔ ایک ایک کے ساتھ کئی کئی گھنٹے صرف ہوتے تھے۔ ہر ایک بات تو نہیں سنائی جا سکتی۔ اتنی زیادہ باتوں سے کسی نتیجے یا کسی رائے پر پہنچنا مشکل نہیں ہوتا۔

نادرہ نے مجھے اپنی نوکرانی رالو کی وہ بات بتائی جو رالو کے مُنہ سے اُس وقت نکلی تھی جب اُس نے دیکھا کہ جو دُودھ نادرہ کے لئے اس نے گرم کیا تھا وہ چوہدری صادق نے پی لیا تھا۔ رالو نے کہا تھا۔۔۔ "ہائے چوہدری جی! وہ آپ نے پی لیا ہے؟"۔۔۔ اس سے مجھے بڑا مضبوط شک ہونے لگا کہ دودھ میں جو زہر ملایا گیا تھا، وہ نادرہ کے لئے تھا۔

چالاک، عیار مگر کمزور سی عورت

میں نے مسلن کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ رالو کیسی عورت ہے مسلن

ہنس پڑی اور بولی ۔۔۔ "میٹھی چھُری ہے"۔۔۔ میرے کُریدنے پر اُس نے بتایا کہ وہ چوہدرانی نادرہ کی نوکرانی ہے اور نادرہ اسے اپنی رازدان بھی سمجھتی ہے لیکن وہ دل سے کسی کی بھی سجن نہیں۔ جہاں سے جھولی بھر کے مل جاتے وہیں کی ہو جاتی ہے۔ چوہدری صادق اس پر بہت مہربان تھا۔ رالو منگنیاں اور نکاح تڑوا دیا کرتی ہے۔ چوہدریوں کو انگلیوں پر نچاتی ہے۔

"چوہدری غفور کی بیوی کے ساتھ رالو کا کوئی گہرا تعلق ہے؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ "اور احمد علی کی بیوی کے ہاں بھی اُس کا آنا جانا ہے؟"

"وہ جب چوہدری غفور کی بیوی قاسمہ کے گھر میں جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے جیسے نادرہ کی نہیں قاسمہ کی نوکرانی اور خیر خواہ ہے۔ میں نے انہیں دو تین بار سر جوڑے دیکھا ہے۔ احمد علی کی بیوی اس سے مُنہ نہیں لگاتی۔ وہ رالو کو اپنی دشمن سمجھتی ہے۔"

مسلن نے مجھے کچھ کام کی باتیں بتا دیں لیکن مسلن بھی نوکر چاکر تھی۔ ان لوگوں کی آپس میں دشمنی عداوت چلتی رہتی ہے۔ میں مسلن کی ہر بات پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے دو مخبروں سے کہا کہ وہ اپنی بیویوں سے رالو کے متعلق رائے لیں۔

"بیویوں سے کیا پوچھنا ہے جی!"۔۔۔ ایک مخبر نے کہا۔۔۔ "مجھ سے پوچھیں۔ رالو کے لئے ہندو مُسلم سکھ عیسائی سب برابر ہیں۔ وہ کسی کی سگی نہیں۔ رشتے جوڑتی بھی ہے توڑتی بھی ہے۔ یہ عورت دیکھو کتنی خوبصورت ہے لیکن اندر سے پتھر ہے۔"

اس آدمی نے رالو کے کردار کا ایسا خاکہ پیش کیا کہ مجھے یقین ہونے لگا کہ دودھ میں زہر اسی نے ملایا تھا۔ پھر بھی میں نے شام تک اس کے متعلق مزید معلومات لے لیں اور تصدیق کرا لی۔ رالو حوالات میں بند تھی۔ میں اس کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل رپورٹ دیتا رہتا تھا۔ وہ بتاتا تھا کہ موم ہوتی جا رہی ہے۔

میں گھر جا کر سو گیا۔ مجھے آدھی رات کو جاگنا اور پھر جاگتے ہی رہنا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جسم اور دماغ کا بُرا حال ہو گیا تھا۔ اپنے اے۔ ایس۔ آئی سے میں نے کہہ دیا تھا کہ رانو کو سونے نہ دے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ اس سے پوچھ گچھ کرتا رہے۔ خود تھک جاتے تو اُسے ہیڈ کانسٹیبل کے حوالے کر دے۔

میں آدھی رات سے ذرا بعد جاگا اور تھانے میں آیا۔ میں نے دیکھا کہ رانو حوالات کے مقفل دروازے کے اندر سلاخیں پکڑے کھڑی تھی اور ہیڈ کانسٹیبل باہر کرسی پر بیٹھا تھا۔ رانو کا سر ڈول رہا تھا۔ چہرہ زرد ہو چکا تھا اور اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو وہاں سے اُٹھا دیا اور حوالات کھلوا کر اندر چلا گیا۔ رانو کو فرش پر بٹھا کر خود اُس کے سامنے فرش پر ہی بیٹھ گیا۔

"رانو!" — میں نے اُسے کہا — "کیا ارادہ ہے .... یہ تھانہ ہے۔ یہاں بڑے بڑے ڈکیت اور قاتل اور بڑے بڑے دلیر مرد گھٹنے ٹیک دیا کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتی رہو اور یہیں پڑی رہو" — اُس کی حالت بہت بُری ہو رہی تھی — "یہاں تمہیں کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ تمہاری زبانی کلامی بے عزتی بھی نہیں کی گئی، پھر بھی دیکھو تمہارا کیا حال ہو گیا ہے .... سنو رانو! تم کالا پانی جا رہی ہو۔ دُودھ میں زہر تم نے ملایا تھا مگر نادرہ کی بجائے اس کے خاوند نے پی لیا اور وہ مر گیا۔ تمہیں اس کا بہت افسوس ہُوا تھا۔ مجھے وہ آدمی بھی مل گیا ہے جس نے تمہیں زہر دیا تھا۔ چوہدری عفور جیل میں ہے۔ چوہدرانی نادرہ گرفتار ہے۔ احمد علی قتل ہو چکا ہے۔ تم کیا ہو؟ .... میں جو پوچھتا ہوں، وہ بتاؤ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری مدد کروں گا۔ میرے پاس تمہارے خلاف اتنی شہادت آ گئی ہے کہ اب مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم اپنے مُنہ سے اپنا جُرم مان لو۔ میں تم پر رحم کر رہا ہوں۔ خود بتا دو گی تو فائدے میں رہو گی۔"

وہ تھانے سے باہر کی دُنیا میں چالاک اور عیار ہو گی۔ تھانے کی حوالات میں اور ایک تھانیدار کی زبان کے جادو کے آگے وہ کمزور سی ایک عورت تھی۔ اُس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے

سینے پر رکھ لئے۔

"اگر آپ مجھ پر رحم کریں گے تو آپ پر خُدا رحم کرے گا" — اُس نے ایسی آواز میں کہا جیسے خواب میں بول رہی ہو۔ کہنے لگی — "اپنے وعدے پر قائم رہنا .... دودھ میں زہر میں نے ہی ملایا تھا۔ زہر حکیم سے آیا تھا چوہدری عفور کی بیوی قاسمہ حکیم سے لائی تھی۔ اُس نے مجھے دیا اور کہا تھا کہ نادرہ رات کو دودھ پیا کرتی ہے۔ زہر اس میں ملا دینا۔ میں نے ملا دیا مگر وہ چوہدری صادق نے پی لیا کیونکہ اِدھر میں نے دودھ چوہدرانی کے ہاتھ میں دیا اُدھر عورتوں کے رونے کی آوازیں آئیں۔ چوہدرانی گلاس رکھ کر باہر کو دوڑ پڑی۔ میں بھی اس کے پیچھے گئی۔ ہم واپس آئیں تو چوہدری صادق دُودھ پی چکا تھا۔ چوہدرانی نادرہ بے گناہ ہے۔"

تھوڑا سا وہ زہر دے دیں

اُس نے اقبالی بیان دے دیا۔ چوہدری عفور کی بیوی نے اسے تین سو روپیہ پیشگی دے دیا تھا۔ رانو نے تفصیل سے سُنایا کہ ان امیر کبیر زمینداروں کے گھروں میں کیسے کیسے ڈرامے کھیلے جاتے ہیں اور نوکروں، مزارعوں اور نوکرانیوں سے کیسے کیسے کام لئے جاتے ہیں۔

میں نے اسے بہت تسلی دی۔ وہ بدمعاش تھی، عیار تھی جو کچھ بھی تھی، اس معاشرے کی پیداوار تھی۔ اس میں وہ بدمعاش اور عیار بن کر ہی فٹ ہو سکتی تھی مگر قانون کی زد میں آئی تو اس کے آقاؤں کے جرائم کی ذمہ داری اس اکیلی کے سر پر آ پڑی۔ میں نے اسے کہا کہ وہ اطمینان کی نیند سو جائے اور میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔

میں نادرہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ وہ بے گناہ ہے۔ خوشی سے اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے اُسے اچھی طرح سمجھایا کہ عدالت میں اُسے کیا گواہی دینی ہے۔ میں نے اُسے اُس کے رشتہ داروں کے حوالے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر دیا جو اکثر تھانے کے باہر بیٹھے رہتے تھے۔

میں نے اسے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ چوہدری غفور کی بیوی کو تھانے لے آئے اور اُسے اس کمرے میں بند کر دے جس میں نادرہ کو رکھا گیا تھا۔ اُسے رائو کے ساتھ بند نہ کرے۔ میں حکیم کے دواخانے میں چلا گیا۔ وہ معزز صورت حکیم بازو اور باچھیں پھیلا کر میرے استقبال کو بڑھا۔ اس کے متعلق مجھے پتہ چل چکا تھا کہ فریب کار آدمی ہے۔ میں اسے تپاک سے ملا اور اس کے کان میں احترام سے کہا ــــ "قبلہ! مجھے تھوڑا سا وہ زہر دے دیں جس سے چوہدری صادق مرا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ زہر آپ سے کس نے کس کے لئے لیا تھا مگر دن چوہدری صادق کے پورے ہو چکے تھے۔ غلطی سے نادرہ والا دودھ چوہدری صادق نے پی لیا۔"

حکیم تو جیسے تیورا گیا ہو۔

"سنو میرے دوست!" ــــ میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ــــ "آج تمہارے گناہوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ایک نیکی کر دو۔ شاید خدا تمہارے گناہ معاف کر دے۔ وہ زہر تھوڑا سا دکھا دو۔"

وہ پختہ کار گنہگار تھا۔ کہاں وہ اتنا گھبرا گیا تھا کہ بیہوش ہونے لگا تھا، کہاں وہ شیر اور دلیر ہو گیا۔ مجھے دکان کے پچھلے حصے میں لے گیا اور بولا ــــ "میں نے بے انت کمایا ہے۔ اپنا حصہ جتنا چاہو وصول کر لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ کہتے ہو تو باقاعدہ ماہوار لگا دوں گا۔"

میں نے اُسے بازو سے پکڑا اور باہر لا کر کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اُسے تھانے لے چلو۔ دکان میں اس کے دو شاگرد یا اسسٹنٹ بھی تھے۔ میں انہیں دکان کے پچھلے کمرے میں لے گیا اور انہیں اچھی طرح سمجھایا کہ ان کے اُستاد کا یہ دواخانہ کم از کم دس سال کے لئے بند ہو رہا ہے۔ اگر وہ دونوں یہ دواخانہ چلانا چاہتے ہیں تو میں اسے سیل نہیں کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ وہ بتا دیں کہ حکیم نے چوہدری صادق کی بیوی کو کون سا زہر دیا تھا۔

خدا نے مجھ پہ کرم کیا۔ میں نے انہیں جو چکمہ دیا تھا، وہ کام کر گیا۔ ان دونوں میں ایک بوڑھا تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر روتی ہوئی آواز میں پوچھا کہ ان دونوں کے خلاف تو کوئی کارروائی نہیں ہو گی؟ میں نے اسے بتایا کہ کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔ وہ صرف نشاندہی کے گواہ ہوں گے۔ بوڑھے نے حکیم کی ایک خاص دراز میں سے ایک شیشی نکال دی اور بولا ــــ "یہ دراصل دوائی ہے لیکن اس کی ذرا سی مقدار دو دوسری دواؤں میں ڈال کر دی جاتی ہے۔ اس کا ذائقہ کڑوا نہیں کسیلا ہے۔ میٹھے دودھ میں چمچ بھر ڈال دو تو دودھ کا ذائقہ خراب نہیں ہو گا۔ یہ آہستہ آہستہ معدے، جگر اور انتڑیوں کو کھاتا رہے گا اور لوگ اس کے اثر کو معدے کی بیماری سمجھتے رہیں گے۔"

میں نے دو گواہ ساتھ لے کر دکان کی باقاعدہ تلاشی لی اور اس بوڑھے کی نشاندہی تحریر میں لا کر شیشی برآمد کی اور مشیر نامے پر گواہوں (مشیروں) کے دستخط لے لئے۔

شیر کی بچی

حکیم کو میں تھانے بھجوا چکا تھا۔ میں کامیابی سے تر و تازہ ہو گیا تھا۔

تھانے گئے تو میں نے حکیم سے پوچھا کہ وہ اقبالِ جرم کرے گا؟ اُس نے بڑا پختہ جواب دیا کہ اُس نے کوئی جرم نہیں کیا اس لئے اقبالِ جرم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے اس زہر کی بات کی تو اس نے کہا کہ وہ کوئی زہر نہیں۔ وہ تو دوائی ہے۔ آپ بھی آ کر مجھ سے لے سکتے ہیں۔

اسے حوالات میں بند کر دیا۔ چوہدرانی فاسمہ تھانے آ چکی تھی۔ اُسے اپنے دفتر میں بلوایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ ڈری ہوئی ہو گی۔ روتی ہو گی اور وہ بھی مجھے رشوت پیش کرے گی لیکن وہ سینہ تانے مردوں کی طرح میرے سامنے آئی۔ ایک تو خدا نے اُسے بڑا اچھا قد دیا تھا، دوسرے اُس کی یہ دلیری۔ مجھے ایسے لگا جیسے وہ کچھ زیادہ قد آور ہو گئی ہو۔ میں نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتا دیا چوہدرانی!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔"اب تو بات بالکل بگڑ گئی ہے۔"

اُس نے میری میز پر دھماکے سے ہاتھ مار کر کہا۔۔۔"کچھ بھی نہیں بگڑا۔ بگڑا یہ ہے کہ جس بے غیرت کو زہر دینا تھا وہ ابھی تک زندہ ہے۔"

"تو تم اقبالی بیان دو گی؟"

"میں نے جو بیان دینا ہُوا عدالت میں دوں گی"۔۔۔ اُس نے بڑی دلیری سے کہا۔۔۔"سن تھانیدارا!"۔۔۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ "میرا خاوند خاندان اور اپنی ذات کی غیرت کی خاطر قید ہو گیا ہے۔ میں شیر کی بچی کی طرح اس کے پیچھے جاؤں گی۔ میں نے اپنے کسی یار کی خاطر اپنے خاوند کو زہر نہیں دیا۔ میں نے خاندان کی ایک بے غیرت اور بدکار عورت کو اس دنیا سے اٹھا کر دفن کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہنستے کھیلتے پھانسی کے تختے پر جاؤں گی۔ افسوس یہ رہے گا کہ میرے ہاتھ سے بدکار عورت بچ گئی ہے.... اور سُن! اگر مجھے پھانسی نہ ملی تو جس روز باہر آؤں گی نادرہ کو ختم کر دوں گی۔"

بخدا میں اس واردات میں پہلے احمد علی کے بیٹے سلیم سے متاثر ہُوا تھا یا اس عورت سے متاثر ہُوا۔ اس کے چہرے پر کردار کی پاکیزگی کا، غیرت مندی کا اور ایمان کا جلال تھا۔ وہ بات کرتی تھی تو میری میز پر زور سے ہاتھ مارتی تھی یا اپنے سینے پر

"میرے خاوند کو معلوم نہیں کہ میں نے نادرہ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔"اب میں سر اونچا کر کے اُس کے پاس جیل میں جاؤں گی۔ اُس نے احمد علی کو قتل کرایا ہے۔ اُس نے مجھے بتا دیا تھا۔ میں کیوں پیچھے رہتی۔ غیرت مند خاوند کی غیرت مند بیوی گھر بیٹھی اچھی نہیں لگتی۔"

اُس نے اقبالِ جرم نہ کیا۔ میں نے رانو کو وعدہ معاف گواہ بنا لیا۔ یہ چونکہ الگ واردات تھی اس لئے میں اس کا الگ وعدہ معاف گواہ بنا سکتا تھا۔ یہ کیس بھی ایسی صورت اختیار کر گیا تھا کہ وعدہ معاف گواہ کی ضرورت تھی۔

کیس عدالت میں گیا۔ میں نے سلیم کی گمشدگی کا کیس بھی شہادت میں شامل کر دیا۔ سلیم اور اُس کی ماں کو بھی گواہ کے طور پر بلایا۔ اس سے یہ ثابت ہُوا کہ احمد علی بدکار آدمی تھا اور اسے عفور نے اشتعال میں قتل کرایا ہے۔ اس سے عفور کو کچھ فائدہ مل گیا۔

بڑا دلچسپ کیس تھا۔ اس کی کارروائی کی الگ اور بڑی لمبی داستان ہے۔ سزائیں اس طرح دی گئیں۔۔۔ چوہدری عفور اور اس کی بیوی کو سات سات سال۔ دونوں مزارعوں کو بھی سات سات سال اور حکیم کو چار سال۔ دونوں وعدہ معاف گواہوں کو معافی مل گئی۔ اپیل میں سب کی سزائیں بحال رہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقتول کی بدروح

درندہ درندہ ہی ہوتا ہے۔ اس سے توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ انسان بن جائے لیکن انسان بھی درندہ بن جاتا ہے، اور انسانوں کی درندگی دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان صرف انسان نہیں، اس کے اندر درندگی بھی ہوتی ہے۔ میری سروس کا یہ واحد کیس تھا جس کے آگے میں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

یہ بھارت کے ایک دُور دراز قصبے کا کیس ہے۔ وہاں زیادہ تر آبادی ہندو راجپوتوں کی تھی اور مسلمانوں کی آبادی بھی خاصی تھی۔ یہ شاید مسلمانوں کے اثرات تھے کہ وہاں کے بیشتر ہندو عام ہندوؤں سے مختلف تھے۔ وہ گوشت تو نہیں کھاتے تھے لیکن ان کے کھانے پینے کے طور طریقے مسلمانوں جیسے تھے۔ عام ہندو کی فطرت میں گھٹن اور مکاری ضرور ہوتی ہے۔ وہ زمین کے نیچے سے وار کیا کرتا ہے اور سامنے آ کر ہاتھ جوڑ کر جھک جاتا ہے۔ اس قصبے کے ہندو ایسے نہیں تھے۔ وہ مسلمانوں کے ویسے ہی دشمن تھے جیسے ہر ہندو ہوتا ہے مگر ان کا انداز عام ہندوؤں جیسا نہیں تھا۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی نفرت بھی تھی لیکن اظہار کسی اور طریقے سے ہوتا تھا۔

عام ہندو عداوت کی بنا پر مسلمانوں کی طرح کسی کو قتل نہیں کیا کرتا تھا کیونکہ ہندو اتنی دلیر قوم نہیں۔ میں جس قصبے کی بات کر رہا ہوں، وہاں کے ہندو راجپوتوں میں ایسی دلیری پائی جاتی تھی کہ ضرورت پڑتی تو آپس کے جھگڑے ڈانگ سوٹے سے طے کر لیا کرتے تھے۔

ایک روز ایک ہندو تھانے میں آیا۔ کہنے لگا کہ اُس کا جوان بیٹا لاپتہ ہو گیا ہے۔ اُس زمانے میں جوان بیٹے اور جوان بیٹیاں آج کی نسبت بہت کم لاپتہ ہوا کرتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھیں۔ میں نے سُنا کہ لاپتہ ہونے والا جوان بیٹا تھا تو پہلا خیال یہ آیا کہ خود ہی کہیں چلا گیا ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کب غائب ہوا ہے تو باپ نے بتایا پانچ چھ دن گزر گئے ہیں۔ باپ کو بھی میری طرح شک تھا کہ کہیں چلا گیا ہوگا، اسی لئے اُس نے پانچ چھ دنوں بعد محسوس کیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ لاپتہ ہونے والے کا نام سریش تھا۔

اُس کے متعلق جو معلومات ملیں وہ یہ تھیں کہ اُس کی عمر تیئس سال تھی۔ شادی شدہ تھا۔ شادی کو ایک سال گزر گیا تھا۔ بیوی کی عمر اٹھارہ انیس سال تھی اور وہ خوبصورت لڑکی تھی۔ سریش کسی پہلو خوبرو نہیں تھا۔ رنگ سانولا اور نقش و نگار میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اُس کا جسم گٹھا ہوا تھا۔ اُس کے باپ نے مجھے اُس کی تصویر دکھائی جس میں وہ اکیلا کھڑا تھا۔ یہ کارڈ سائز تصویر تھی جو باہر سڑکوں پر کیمرے رکھے ہوتے کسی فوٹو گرافر سے اُتروائی گئی تھی۔

میرے پوچھنے پر باپ نے بتایا کہ ان کی کسی کے ساتھ ایسی دشمنی نہیں کہ کوئی انتقامی کارروائی کے طور پر اُسے یوں غائب کر دیتا۔ اُس کی ازدواجی زندگی بھی کوئی ایسی بُری نہیں تھی کہ گھر سے بھاگ جاتا یا کہیں جا کر خودکشی کر لیتا۔ اُس سے پہلے وہ کبھی باہر نہیں گیا تھا کیونکہ ان کا کوئی رشتہ دار کہیں باہر نہیں تھا۔ اُس کا کوئی عزیز دوست بھی کسی دوسرے شہر یا قصبے میں نہیں تھا کہ اُس کے پاس چلا گیا ہوتا۔ اُس کے باپ نے بتایا کہ کوئی ہوتا بھی تو وہ نہ جاتا۔ وہ کبھی بھی رات کو گھر سے غیر حاضر نہیں ہوا تھا۔

"ہو سکتا ہے اُس کی اپنی کسی دوست کے ساتھ دشمنی ہو" ـــــ میں نے پوچھا ـــــ "کیا آپ کو اُس کے کسی دوست پر شک ہے؟"

میں نے دیکھا کہ وہ جواب دیتے جھجک رہا تھا جیسے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہو یا جیسے فیصلہ نہ کر سکتا ہو کہ یہ بات بتاتے یا نہ بتاتے۔ میں نے اُس کی جھجک کو بھانپتے ہوئے اُس کی حوصلہ افزائی کی مگر وہ کبھی مسکراتا تھا کبھی سنجیدہ ہو جاتا تھا۔

"اگر آپ بُرا نہ مان جائیں تو کہوں" ـــــ اُس نے خوشامدیوں جیسے لہجے میں کہا ـــــ "آپ بھی آخر مسلمان ہیں۔"

میں نے بڑا لمبا لیکچر دے کر کہا کہ دَردی میں میرا کوئی مذہب نہیں اور وہ اگر

کوئی بات دل میں رکھے گا تو اُسے اُس کا بیٹا نہیں ملے گا۔ وہ پھر بھی بات کرتے ڈرتا رہا۔ میرا اے۔ ایس۔ آئی ہندو تھا۔ میں نے اُسے بلا لیا اور کہا کہ اس کا ڈر دُور کرے۔ اس کی شہ پر اس نے بات کی۔

"سریش کی دوستی مسلمان لڑکوں کے ساتھ تھی" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "ہم لوگ اپنے لڑکوں کو مسلمان لڑکوں کو دوستی سے منع کیا کرتے ہیں۔ مسلمان گوشت کھانے والی قوم ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں ایسی عادتیں پیدا ہو گئی ہیں جو ہندوؤں میں نہیں ہونی چاہئیں۔"

مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے اُس کی اور زیادہ حوصلہ افزائی کی اور کہا ـــــ "ہندو اور مسلمان میں جو فرق ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اپنے کام کی بات سُننا چاہتا ہوں۔ مجھے اُن مسلمان لڑکوں کے نام بتاؤ جن کے ساتھ سریش کی دوستی یا دشمنی تھی۔ یہ بھی بتائیں کہ دشمنی کیسی تھی۔ کیا دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے اُسے کہیں غائب کر دیا ہے؟"

"میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اُس کی دشمنی کسی کے ساتھ تھی یا نہیں" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "وہ زیادہ تر انہی کے ساتھ رہتا تھا۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ تاش کھیلتے تھے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ جُوا بھی کھیلتے ہوں اور جوتے بازی میں ان کے درمیان کوئی گڑبڑ ہو گئی ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان بدمعاشی میں آخری حد تک پہنچ جایا کرتے ہیں۔"

اُس نے بات پتے کی کہی تھی۔ یہ اشارہ بڑا اچھا تھا۔ اُس نے مجھے سریش کے تین دوستوں کے نام بتائے۔ میں نے اس سے کچھ اور ضروری باتیں پوچھ کر رپورٹ درج کر لی اور جو کاغذی کارروائی کرنی تھی کر لی۔ یہ ہندو درمیانے درجے کا دکاندار تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے کی شادی ایک امیر آڑھتی کی بیٹی سے کی تھی۔

صرف ایک شک رہ گیا تھا ہندو آڑھتی، تھوک فروش اور ساہوکار ہفتے میں ایک بار اردگرد کے دیہات میں وصولیوں کے لئے جایا کرتے تھے۔ مجھے شک ہُوا کہ سریش وصولیوں کے لئے گیا ہوگا اور واپسی میں رہزنوں کے ہاتھ چڑھ گیا ہوگا۔ اس کے باپ نے یہ کہہ کر میرا شک رفع کر دیا کہ دیہات کے کسی بھی دکاندار کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساتھ اُس کا کاروبار نہیں اور وہ ساہوکارہ بھی نہیں کرتا۔

اسے بیوی پسند نہیں کرتی تھی

سرلیش کے تین دوست میرے بلاوے پر تھانے میں آئے۔ تینوں مسلمان تھے۔ ان سے میں نے الگ الگ پوچھ گچھ کی۔ ان میں سے ایک رسالدار میجر کا بیٹا تھا۔ باپ سروس میں تھا۔ اُس کی زمین خاصی تھی جس کی دیکھ بھال کے لئے یہ نوجوان گھر رہتا تھا۔ اس کی ماں اور بہن بھائی بھی قصبے میں ہی تھے۔ رسالداروں اور صوبیداروں کے بیٹے عموماً خودسر اور آوارہ ہُوا کرتے تھے۔ جب جوان ہوتے تھے تو فوج میں بھرتی کرا دیئے جاتے تھے۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر کا یہ نوجوان امیرزادہ لگتا تھا۔ دوسرا ایک زمیندار کا بیٹا تھا۔ اس کا انداز بھی امیرزادوں والا تھا اور تیسرا ایک خوشحال بیوہ کا بیٹا تھا۔

تینوں کو دیکھ کر میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ عیاش، خوش طبع بے فکرے اور آوارہ ہیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سرلیش میں خوبصورتی والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ تینوں نوجوان شکل وصورت اور جسموں کے لحاظ سے پُرکشش تھے۔ اس سے میرے ذہن میں سرلیش کی بیوی کے متعلق کچھ اور شکوک پیدا ہُوئے۔

تینوں کو میں نے الگ الگ اپنے پاس بٹھایا اور ان کے ساتھ اپنے ہمجولیوں کی طرح باتیں کیں۔ ان میں سے ہر ایک میرے ساتھ بے تکلف ہوگیا۔ تینوں نے ایک ہی جیسی باتیں بتائیں۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ سرلیش زندہ دل ہے۔ عادات اور اطوار مسلمانوں جیسی ہیں اور صرف مسلمانوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ وہ ان دوستوں کے گھروں کا پکا ہُوا گوشت بھی کھایا کرتا تھا۔ یہ سب تاش کھیلا کرتے تھے اور کبھی کبھی چند آنوں کی بازی لگا کر جُوا بھی کھیل لیتے تھے لیکن جُوا ان کی عادت نہیں، کبھی کبھار کا شغل تھا۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ جیت جاتا وہ جیتے ہوئے پیسے سب کو کھلا دیتا تھا۔

میں نے بہت کُریدا، بہت جرح کی، بات سے بات نکالی لیکن مجھے ہلکا سا

بھی اشارہ نہ ملا کہ ان میں سے کسی کی بھی سرلیش کے ساتھ دشمنی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہوگا؟ تینوں نے الگ الگ ایک ہی جیسا جواب دیا کہ انہیں کچھ پتہ نہیں اور وہ خود حیران ہیں کہ وہ کہاں غائب ہوگیا ہے۔ سرلیش کے باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے بھی ان لڑکوں سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے اور کیوں گیا ہے۔

میں نے تینوں کو اکٹھا بٹھا لیا اور انہیں کہا کہ سوچو شاید کوئی وجہ یا کوئی اشارہ تمہارے ذہن میں آجائے۔ کیا وہ لاپتہ ہونے سے پہلے پریشان تھا؟

"وہ خوش رہنے والا لڑکا تھا"۔۔۔ ایک نے جواب دیا۔۔۔ "لیکن جب پریشان ہوتا تو بہت ہی پریشان ہوتا تھا۔ پریشانی کی وجہ اُس کی بیوی ہے۔ وہ اس سے خوش نہیں رہتی۔ اکثر اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جاتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ سرلیش کو پسند نہیں کرتی۔"

"کسی اور کو پسند کرتی ہوگی"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اسی لئے زیادہ تر میکے رہتی ہے۔"

"ہم تینوں میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ ایسی بات ہے"۔۔۔ ایک نے کہا۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ "مجھے شک ہے کہ وہ تم میں سے کسی کو پسند کرتی ہے۔"

"معلوم نہیں آپ میری بات پر یقین کریں گے یا نہیں"۔۔۔ رسالدار میجر کے بیٹے نے کہا۔۔۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ ہم تینوں شریف لڑکے ہیں۔ میں سرلیش کی بیوی کی بات کرتا ہوں۔ ہم اس کے گھر جاتے رہتے ہیں۔ اس کی بیٹھک میں بیٹھتے ہیں۔ اس کی بیوی شرمانے والی لڑکی نہیں۔ ہمارے سامنے آتی ہے۔ کھل کر دوستوں کی طرح باتیں کرتی ہے۔ کئی بار باہر کھیتوں میں، ندی پر ہم میں سے کسی نہ کسی کو ملی ہے۔ رُک کر گپ شپ بھی لگاتی ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ ہم تینوں میں کسی نے کبھی نیت خراب نہیں ہونے دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرلیش ہمارا دوست ہے۔ وہ کہا کرتا ہے کہ اُسے مسلمان اچھے لگتے ہیں۔ ہم اُس کے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈال کر اُس سے یہ نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہلوانا چاہتے کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟"

"ایسی بات تو نہیں کہ اس لڑکی نے کسی کے ساتھ مراسم پیدا کر رکھے ہوں اور ان دونوں نے مل کر سریش کو کہیں غائب کر دیا ہو؟"۔۔۔ میں نے کہا۔

"ہمیں ایسا شک ہوا تھا"۔۔۔ ایک لڑکے نے کہا۔۔۔ "اور ہم تینوں نے سریش کے باپ سے کہا تھا کہ وہ سراغ لگانے کی کوشش کرے کہ سریش کی بیوی کے کسی کے ساتھ مراسم تھے۔ اگر وہ آدمی مل جاتے تو ہم اُس سے بے عزتی کا انتقام لیں گے مگر ایسا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

یہ تو میں نے خود بھی سوچا تھا کہ ایسی بات ہوتی تو لڑکی یہاں نہ ہوتی۔ ایک لڑکی کے لئے یہ کام آسان بھی نہیں تھا۔ ایسے کام کے لئے کسی بڑے ہی دلیر مرد کی اور ایسے مرد کی ضرورت تھی جو قصبے سے باہر ہوتا اور جسے ہمیشہ قصبے سے باہر ہی رہنا ہوتا۔ اس صورت میں سریش کا قتل ضروری تھا۔

ان تین نوجوانوں نے مجھے اپنے ایک اور دوست کا نام بتا کر کہا کہ وہ سریش کا دوست بھی ہے اور پڑوسی بھی، اور شاید اُس کے گھر کے اندر کی باتیں بھی بتا سکے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ سریش کی ایک جوان بہن دو سال سے بیوہ ہو کر گھر بیٹھی ہے اور اُس کے متعلق کچھ قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ میں نے اُن سے تفصیل پوچھی تو انہوں نے کہا کہ وہ سریش کے اس دوست سے ہی پوچھیں۔

جوان اور بیوہ بہن

ان تینوں کو میں نے تھانے میں ہی کھانا کھلایا اور کہا وہ میری مدد کے لئے موجود رہیں۔ ان کا یہ ڈر میں نے ختم کر دیا تھا کہ وہ مشتبہ ہیں۔ ایک کانسٹیبل کو بھیج کر سریش کے اس چوتھے دوست کو بلا لیا۔ اُس کے آنے تک میں نے اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ وہ مخبروں کو بلا کر سریش کے گھر یلو حالات معلوم کرے۔ اے۔ ایس۔ آئی کو زیادہ ہدایات جاری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس قسم کے کیس میں کیا کچھ معلوم کیا جاتا ہے۔

سریش کا یہ دوست ایک مسلمان دکاندار کا بیٹا تھا۔ عمر بائیس تیئیس سال۔ صاف ستھرے رنگ اور بڑے اچھے نقش و نگار کا جوان تھا۔ کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اُسے اُس کے تین دوست دکھا کر کہا کہ وہ گھبراتے اور ڈرتے نہیں۔ مجھے اُس کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس سے میں نے وہی باتیں پوچھیں جو ان تین نوجوانوں سے پوچھ چکا تھا۔ اس نے وہی جواب دیئے جو یہ لڑکے دے چکے تھے۔ ان تینوں کی طرح یہ نوجوان بھی ذہین تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ سریش کی بیوی کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوگا کیونکہ وہ اس کے پڑوس میں رہتا ہے۔

"چال چلن کی بہت بُری لگتی ہے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "لیکن پوری طرح پاک اور صاف ہے۔ وہ خوبصورت، ہنس مکھ اور بچوں کی طرح کھلنڈری ہے۔ شرماتی نہیں، مردوں کی طرف دیکھتی ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی ہوں۔ میرے یہ تین دوست معلوم نہیں، آپ کو کیا بتا چکے ہیں۔ میں آپ کو صحیح بات بتاتا ہوں۔ میرا سریش کے گھر آنا جانا ہے۔ اُس کی بیوی ہمارے گھر آتی ہے۔ ایسی بے تکلفی سے باتیں کرتی ہے کہ مرد کسی اور ہی دھوکے میں آجاتے ہیں۔ تین لٹھے جوان اس لڑکی سے بے عزتی کروا چکے ہیں۔"

"وہ سریش کو کیوں پسند نہیں کرتی؟"

"شاید اس کے رنگ روغن کی وجہ سے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سریش اپنے دوستوں میں ہنستا کھیلتا ہے لیکن گھر میں وہ بڑے رعب سے رہتا ہے۔ اپنی بیوی پر حکم چلاتا ہے۔ بیوی اسے پتے نہیں باندھتی۔ سریش پریشان رہتا ہے۔"

"سریش ہندوؤں کی طرح بزدل اور فریب کار ہے یا اس کی عادتیں مختلف ہیں؟"

"اس کی عادتیں ہم جیسی ہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "دلیر اتنا ہے کہ ہم اسے بیوقوف کہا کرتے ہیں۔"

"سُنا ہے اُس کی ایک جوان بہن بیوہ ہے"۔۔۔ میں نے اس شک پر اُس کی بہن کے متعلق پوچھا کہ وہ اس کی گمشدگی یا قتل کا باعث ہو سکتی تھی۔ مجھے سب سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلے لاپتہ ہونے کا باعث پاس منظر معلوم کرنا تھا۔ گھر میں دو خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی موجودگی گھر کے کسی مرد کے قتل کا باعث بھی بن سکتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "یہ جوان اور بیوہ بہن کیسی ہے؟"

"مجھے شک ہے کہ یہی بہن سریش کی گمشدگی کی ذمہ دار ہے" — اُس نے جواب دیا — "وہ اچھے چال چلن کی عورت نہیں۔ اُس کی عمر پچیس چھبیس سال ہے۔ اُس کا رنگ سریش کی طرح سانولا نہیں، صاف ستھرا ہلکا گندمی رنگ ہے اور نقش بہت تیکھے ہیں۔ قصبے سے ایک میل دُور ندی سے اُوپر سبزیوں کا ایک باغ ہے۔ اُس کا مالک عبدالرحیم جوان آدمی ہے۔ اُس کا زمیندارہ خاصا ہے۔ کچھ عرصے سے سریش کی بہن وہاں جاتی ہے اور عبدالرحیم اس کے لئے وہاں موجود ہوتا ہے۔ اس عورت کا نام اُوشا ہے....

"پہلے پہل تو میں اسے افواہ سمجھتا تھا لیکن اپنی آنکھوں دیکھا تو یقین آگیا۔ علی الصبح عورتیں ندی پر جاتی ہیں۔ اُوشا بھی جاتی ہے۔ میں تین بار اُس کے تعاقب میں گیا۔ ایک صبح میں نے دیکھا کہ عبدالرحیم اپنے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ میں چھپ کر دیکھتا رہا۔ اُوشا ایک اور طرف سے باغ میں داخل ہوئی اور میں نے اُسے عبدالرحیم کے ساتھ اُس مکان میں جاتے دیکھا جو باغ میں ہے۔ اس کے بعد بھی میں نے اُسے باغ میں دیکھا۔"

"سریش کو معلوم تھا؟"

"اسے اب کوئی دو مہینے ہوتے پتہ چلا تھا" — اُس نے کہا — "مجھے بہت پہلے کا پتہ تھا۔ میں نے اُس سے ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی بہن کے متعلق کون ایسی بات سنتا ہے؟ میں آپ کو ایک اور بات بتاؤں!.... سریش میرا دوست ہے میرے ساتھ کھاتا پیتا بھی ہے۔ اس کی عزت کو میں اپنی عزت سمجھتا ہوں۔ ایک صبح اُوشا کو میں نے باغ میں سے نکلتے دیکھا تو فصلوں کی اوٹ میں اُسے روک لیا۔ میں نے اُسے کہا — 'اُوشا! تمہارے بھائی نے دوستوں میں اور سارے شہر میں اپنی عزت بنا رکھی ہے۔ تم اس کی عزت تباہ کر رہی ہو۔ باز آجاؤ' — اُس نے ذرا سی بھی شرم محسوس نہ کی۔ میری چھاتی پر ہلکے سے دونوں ہاتھ مار کر بولی — 'تم پڑوسی ہو کر میری بات نہ پوچھو تو میں کیا کروں۔ وعدہ کرو تو میں باغ میں نہیں آیا کروں گی' — مجھے

یاد آگیا کہ اس نے میرے ساتھ کچھ عرصہ پہلے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔ میں اس کے اشارے سمجھ بھی گیا تھا لیکن اپنے دوست کی عزت کے ساتھ کھیلنے کو میں گناہ سمجھتا تھا....

"میں اُسے کچھ اور کہہ رہا تھا اور وہ کچھ اور سمجھ رہی تھی۔ میں نے اسے پھر اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کی تو بھی وہ نہ سمجھی۔ کہنے لگی — 'میں وعدہ کرتی ہوں کہ اُس کے پاس نہیں جایا کروں گی۔ ساری عمر کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی۔ مجھے مسلمان کر لو اور میرے ساتھ شادی کر لو۔ مجھے خاوند کی ضرورت ہے۔ مجھے خاوند کی محبت چاہیئے۔ میں تنہائی کی زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ اگر مجھے کوئی کسی سے ملنے ملانے سے روکے گا تو میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گی' — اس کے آنسو بہنے لگے اور میں اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر آگیا۔"

یہاں میں آپ کو ہندوؤں کے اس ظلم اور بے رحمی کے متعلق کچھ بتاتا ہوں جو وہ بیوہ عورتوں پر کرتے ہیں۔ اب نئی تہذیب کے ہندو شاید اس پابندی کو قبول نہیں کرتے لیکن ایسی مثالیں بہت ہی کم ہیں۔ ان کے ہاں پابندی یہ ہے کہ بیوہ دوسری شادی نہیں کر سکتی خواہ وہ شادی کی ایک ہی رات گزار کر بیوہ ہو جاتے۔ بچوں والی عورت بیوہ ہو جاتے تو بچوں سے دل لگا لیتی ہے مگر نوجوانی اور بھرپور شباب میں عورت بیوہ ہو جاتے تو وہی جانتی ہے کہ اُس پر کیا گزرتی ہے جیسا کہ سریش کی بہن اُوشا نے کہا تھا کہ مجھے خاوند کی محبت کی ضرورت ہے۔ وہ تنہائی کی زندگی سے تنگ آگئی تھی۔

یہ جو آپ اخباروں میں پڑھا کرتے ہیں کہ بھارت میں فلاں شہر میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اُن کی عورتوں کی بے حرمتی کی، اس سے ہمارا خون کھولا کرتا ہے۔ ہندوؤں کے لئے عورت کی بے حرمتی کوئی خاص بات نہیں۔ ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب اور کشمیر میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا اور بہت بڑے پیمانے پر مسلمان عورتیں اغوا اور بے آبرو کی تھیں، یہ ہندوؤں کے لئے کھیل ہے۔

اپنی عورتوں کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ یہ تو ہندوؤں میں رسم تھی کہ کوئی آدمی مر جاتے تو اُس کی بیوی کو اُس کی لاش کے ساتھ زندہ جلا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا جاتا تھا۔ یہ ظالمانہ رسم قانوناً مغلوں نے ختم کی تھی۔ بھارت کے موجودہ قانون میں بھی یہ جرم ہے لیکن یہ رسم جسے ستی کہتے ہیں ہندوؤں کے ہاں ابھی تک موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اسے از سرِ نو زندہ کر رہے ہیں۔ بھارت سے ستی کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

ستی کو جرم قرار دیئے جانے کے بعد بعض ہندو اپنی جوان بیوگان کو متھرا، بنارس یا ہردوار بھیج دیتے ہیں۔ یہ ان کے بہت بڑے مندر ہیں۔ یہ جوان عورتیں وہاں دنیا سے تعلق توڑ کر خاموش زندگی گزارتی اور پنڈتوں کی عیاشی کا ذریعہ بنی رہتی ہیں۔ ہندوؤں نے جگہ جگہ آشرم کھول رکھے ہیں جو ایک طرح کے دارالامان ہیں۔ کچھ بیوہ لڑکیاں وہاں بھیج دی جاتی ہیں۔ آپ نے میرے بھائی دبیر حسین رضوی کی ایک تفتیشی کہانی پڑھی ہو گی جس میں انہوں نے ان آشرموں میں عورتوں کی درپردہ زندگی کی بڑی شرمناک تفصیلات پیش کی تھیں۔

ہر عورت صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی تسکین چاہتی ہے، خاوند کا دلی پیار چاہتی ہے، بچے چاہتی اور گھر آباد کرنا چاہتی ہے۔ یہ اس کی فطرت کے مطالبے ہیں جو پورے نہ ہوں یا انہیں زبردستی دبایا جاتے تو اس قسم کی وارداتیں ہوتی ہیں جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔

تم مجھے قتل کرو گے؟

سریش کے اس دوست نے مجھے بتایا — "سریش کو جب پتہ چلا کہ اُس کی بہن عبدالرحیم کے پاس جاتی ہے تو وہ بہت پریشان رہنے لگا۔ ایک روز اُس نے مجھے بتایا کہ عبدالرحیم کے ساتھ اُس کی لڑائی ہو گئی ہے اور اُس نے عبدالرحیم سے کہا ہے کہ وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"مشکل سے ایک مہینہ گزرا ہے" — اُس نے جواب دیا — "سریش بہت بھڑکا ہوا تھا۔"

"اپنی بہن کو بھی اس نے مارا پیٹا ہو گا" — میں نے کہا۔

"یہ اس کی ایک اور مجبوری ہے" — اُس نے کہا — "وہ اپنی بہن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اُدشا دراصل شیطان فطرت عورت ہے۔ سریش کی بیوی صرف سریش کو ہی ناپسند نہیں کرتی، اُسے اس خاندان سے نفرت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اُدشا طبیعت کی غصیل ہے۔ وہ سریش کی بیوی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ میں اُن کے پڑوس میں رہتا ہوں۔ ان کے گھر آتے دن لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ سریش کی ماں بھی اور باپ بھی اُدشا کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ سریش کی سنتے ہی نہیں۔ اس کی بیوی اسے بزدل اور نہ جانے کیا کیا کہتی ہے۔ وہی سریش جو باہر صحیح معنوں میں جوانمرد اور دلیر ہوتا ہے، گھر میں جیسے مر ہی جاتا ہے ....

"اُس کے لئے دوسری مصیبت اُس کے سسرال نے کھڑی کر رکھی ہے۔ اس کی بیوی اپنے ماں باپ کو جا کر بتاتی ہے کہ سریش کے گھر والے اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں لڑکی کے ماں باپ سریش کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اُس کی خوب بے عزتی کرتے ہیں۔ وہ امیر کبیر لوگ ہیں اور اثر و رسوخ والے بھی ہیں، اس لئے وہ سریش کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اس سے وہ اور زیادہ پریشان رہتا تھا۔"

"تمہاری اپنی رائے کیا ہے؟" — میں نے اس سے پوچھا — "کہ وہ گھر کے حالات سے تنگ آ کر گھر سے بھاگ گیا ہے؟"

"میری رائے تو یہی ہے" — اُس نے جواب دیا — "بہن بدکار ہو اور بھائی کے سر چڑھی رہے اور بھائی اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے تو ایسے بھائی کو خودکشی کر لینی چاہیئے یا وہ منہ چھپانے کے لئے گھر سے بھاگ جاتے۔"

"میرے عزیز بھائی!" — میں نے اسے کہا — "تم میری بہت مدد کر سکتے ہو۔ سریش کے گھر کے حالات دیکھتے رہو۔ اپنے گھر کی عورتوں سے کہو کہ وہاں جا کر اُس کی ماں، بہن اور بیوی کی باتیں سنا کریں۔ شاید کوئی کھُرا کھوج، کوئی سراغ مل جاتے۔ اگر باغ والے عبدالرحیم کے ساتھ تمہاری دوستی یا میل ملاقات ہو تو اس پر بھی نظر رکھو۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اُس کے ساتھ تو ہماری لڑائی ہے"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں اور یہ تینوں لڑکے ایک روز عبدالرحیم کے پاس گئے تھے اور اُسے کہا تھا کہ سریش ہمارا دوست ہے۔ ہم دوستی کا حق ادا کرنے آتے ہیں اور تم اُس کی بہن کی عزت کے ساتھ نہ کھیلو۔ وہ دو بچوں کا باپ ہے۔ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم بچے ہو، ابھی ان کاموں میں نہ پڑو۔ ہم نے اُسے برخورداری سے کہا کہ وہ اس بدکاری سے باز آجاتے ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ 'تم چاروں ہندو کی دوستی ترک کر دو۔ ہندو ہمارا دشمن ہے جس روز ہندوؤں کو موقعہ ملے گا وہ ہمیں قتل کریں گے اور ہماری عورتوں کو خراب کریں گے۔ تم نادان ہو'....

"اُس کے ساتھ بحث ہوتی رہی اور وہ غصّے میں آگیا۔ ہم نے اُسے کہا کہ ہم دوستی کا حق ادا کر کے ہی رہیں گے۔ وہ کہنے لگا، تم مجھے قتل کر دو گے؟ ہمارے ایک دوست نے کہا کہ ہم جو کچھ کریں گے، کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور تم زندہ رہے تو ساری عمر یاد رکھو گے .... وہ بڑا ڈھیٹ آدمی ہے۔ کہنے لگا کہ میں تمہارے ماں باپ کو بتاؤں گا کہ تم سریش کی بہن اور بیوی کے جال میں پھنسے ہوتے ہو اور تم چوری چکاری کر کے انہیں مال کھلا رہے ہو۔ اُس کی اس دھمکی سے ہم کچھ ڈر گئے لیکن ہم نے اُسے دھمکیاں دیں اور آگئے ....

"اس کے دو چار دن بعد کی بات ہے کہ میں نے اُوشا سے بات کی تھی کہ وہ اپنے بھائی کی عزت کو برباد نہ کرے، لیکن اُس نے بات سمجھنے کی بجائے مجھے پھانسنے کی کوشش کی۔ میں نے اپنے ان دوستوں کو بتایا اور انہیں کہا کہ عبدالرحیم نے اس لڑکی پر زبردستی قبضہ نہیں کر رکھا۔ وہ اپنی مرضی سے وہاں جاتی ہے۔ ہمیں اس مصیبت میں پڑنے کی ضرورت نہیں"۔

خراب اپنی لڑکی ہو تو....

اس نوجوان سے مجھے بہت کچھ مل گیا۔ کچھ اور بھی اس سے پوچھا اور میرے ذہن میں دو شکوک پختہ ہو گئے۔ ایک یہ کہ سریش گھر کے حالات اور بہن کے

چال چلن سے تنگ آ کر بھاگ گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اُس نے عبدالرحیم کے ساتھ لڑائی مول لی۔ پھر اس کے دوستوں نے عبدالرحیم کو دھمکیاں دیں اور ان کا جھگڑا ہُوا۔ عبدالرحیم نے سریش کو قتل کر دیا، یا کروا دیا۔ لہٰذا میرا مشتبہ نمبر ایک عبدالرحیم تھا۔

میں اسے نہیں جانتا تھا۔ ہر تھانیدار اپنے علاقے کے سرکردہ افراد سے واقف ہوتا ہے۔ خواہ وہ نیک کاموں میں سرکردہ ہوں خواہ جرائم میں۔ عبدالرحیم سے میں واقف نہیں تھا۔ میرے سامنے اس کا ذکر کبھی نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔ میرا ایک کانسٹیبل اُسے جانتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ عبدالرحیم خوشحال زمیندار ہے اور وہ نیک نام نہیں۔ مختصر یہ کہ اُس کے متعلق مجھے ایسی رپورٹ ملی جس نے میرا شک مزید پختہ کر دیا لیکن اس کے خلاف مجھے کسی ٹھوس شہادت کی ضرورت تھی۔

سارے کام ایک ہی دن میں نہیں ہو جایا کرتے۔ تفتیش اور سراغرسانی وقت طلب کام ہیں۔ میرے پاس اور بھی کئی کام تھے۔ اے۔ ایس۔ آئی کے پاس بھی بہت کیس تھے۔ میں نے تین چار دنوں بعد سریش کے باپ کو بلایا اور میں اُس پر برس پڑا۔

"اپنے بیٹے کے لئے تم لوگوں نے اپنا گھر جہنم بنا رکھا تھا" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور اب اُسے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش رہتا تھا تو تم نے کہا تھا کہ ہاں، خوش رہتا تھا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری بیوہ بیٹی باغ میں عبدالرحیم کے پاس جاتی ہے اور تمہارا بیٹا اُسے منع کرتا تھا، اور تم اور تمہاری بیوی اُسے بُرا بھلا کہتے تھے .... مجھے سچ سچ بتاؤ کیا تم نے اپنی بیٹی کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر بیوگی مزے سے گزارے؟"

بوڑھے کا مُنہ کھُل گیا اور اُس کے ہاتھ اُوپر اُٹھ کر اپنے آپ ہی میرے آگے جُڑ گئے۔ اُس کی جیسے زبان ہی بند ہو گئی تھی۔ وہ میرے الزام کی تردید بھی نہیں کر رہا تھا۔

"کیا تم نے عبدالرحیم کے ساتھ کبھی بات کرنے کی نہیں سوچی تھی؟" ۔۔۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے کہا ـــــ "تم چند سرکردہ آدمیوں سے کہہ کر عبدالرحیم کے خلاف کرتی کارروائی کرا سکتے تھے۔"

"وہ چڑیل ہے مہاراج!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "خراب اپنی لڑکی ہو تو ہم دوسروں کے خلاف کیا کارروائی کر سکتے ہیں۔"

"پھر تم اپنی بیٹی کے حق میں اپنے بیٹے کے خلاف کیوں ہو گئے تھے؟" ـــــ میں نے پوچھا۔

"ہم اُسے کسی خاص وجہ سے یقین دلانا چاہتے تھے کہ اس کی بہن پر غلط الزام لگایا جا رہا ہے" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "میرا بیٹا بڑی سخت طبیعت کا ہے۔ ہمیں ڈر لگا رہتا ہے کہ وہ اپنی بہن کو جان سے مار ڈالے گا۔"

مجھے ان لوگوں کی عزت بے عزتی کا ذرا سا بھی غم نہیں تھا۔ میں نے ان کے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ درج کی تھی۔ اس کی تفتیش کے لئے میرے لئے وہ باعث معلوم کرنا ضروری تھا جس نے لڑکے کو لاپتہ کیا تھا۔ سریش کے دوستوں نے مجھے جو باتیں بتائی تھیں، مجھے ان کی تصدیق کی ضرورت تھی۔ مجھے سریش کے باپ پر غصہ اس لئے آیا تھا کہ اس نے مجھے انتہائی ضروری باتیں نہیں بتائی تھیں۔ اب اُس نے تصدیق کر دی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اُوشا سریش کی بیوی کو ہر وقت پریشان رکھتی تھی اور سریش کے سسرال سریش کی جان کو آتے رہتے تھے۔

"اگر تمہارا بیٹا گھر کے حالات سے تنگ آ کر بھاگ گیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں" ـــــ میں نے کہا۔

"مجھے ایک شک ہے" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "وہی جو آپ نے نام لیا ہے .... عبدالرحیم .... اُس نے میرے بیٹے کو غائب کیا ہوگا۔"

"یہ شک کب پیدا ہوا ہے؟" ـــــ میں نے پوچھا ـــــ "پہلے کیوں نہ بتایا؟"

اُس نے دو ہندوؤں کے نام لے کر کہا ـــــ "انہوں نے یہ شک کیا ہے۔ اُن کی باتیں سُن کر مجھے بھی خیال آیا ہے کہ ایسے ہو سکتا ہے۔ ایک روز سریش نے مجھے سخت غصے میں کہا تھا کہ اُوشا اور عبدالرحیم کسی روز اس کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ ایسی بات عبدالرحیم سے نہ کہہ بیٹھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

قتل ہونے سے پہلے اُس کے ہاتھوں قتل ہو جائے .... مجھے تو یہ شک ہے کہ میرا بیٹا قتل ہو گیا ہے۔"

یہ شک تو مجھے بھی تھا۔

میں رہ بھی نہیں سکتی

میں نے دوسرے دن سریش کی بہن اُوشا کو تھانے بلا لیا۔ اُس کا باپ ساتھ تھا۔ باپ کو میں نے الگ بٹھا دیا۔ اوشا اچھے چال چلن کی عورت نہیں تھی لیکن اُسے دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہُوا۔ قدرت کے لحاظ سے اُس میں بڑی کشش تھی اور خدا نے اُسے شکل و صورت بھی بڑی اچھی دی تھی مگر اُس کی قسمت بہت ہی بُری تھی۔ پچیس سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے! اسے کسی کی بیوی ہونا چاہیئے تھا۔ اسے دیکھ کر ہر جوان ہندو کہتا ہوگا کہ وہ اُوشا کے ساتھ شادی کر لے لیکن اس بے بنیاد مذہب نے بیوہ پر بڑی ظالمانہ پابندی عائد کر رکھی تھی۔

میں نے اُس کے ساتھ ہمدردی کی باتیں کیں اور اُس کے مذہب نے جو ظلم کر رکھا تھا، اس کا میں نے کھل کر ذکر کیا۔ اُس کے آنسو بہنے لگے۔ اُسے موم کی طرح پگھلا کر میں نے اُسے اپنے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ وہ جب پوری طرح میرے قبضے میں آ گئی تو میں نے اُسے احساس دلائے بغیر کہ میں تفتیش کر رہا ہوں، اُس سے باقاعدہ پوچھ گچھ شروع کر دی۔ میں نے اس سے جو کچھ پوچھا اور جو اُس نے جواب دیئے وہ بڑی ہی لمبی بات ہے۔ ساری بات سُنانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے اہم حصے سنا دیتا ہوں۔

"تمہیں اپنے بھائی سے اتنی زیادہ نفرت تھی کہ وہ لاپتہ ہو گیا اور تمہیں اس کا کوئی افسوس نہیں؟" ـــــ میں نے کہا ـــــ "تم نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ تمہارا بھائی مل جائے گا یا نہیں۔"

"یہ آپ کو کیسے شک ہُوا ہے کہ مجھے اپنے بھائی کا غم نہیں؟" ـــــ اس نے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں نے کچھ ایسی باتیں سنی ہیں جن سے مجھے شک ہوتا ہے ۔" میں نے کہا ۔۔۔ "جھوٹ نہ بولنا اُوشا! مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے ۔ سریش تمہاری وجہ سے لاپتہ ہُوا ہے، اور اس کا مجرم عبدالرحیم ہے ۔۔۔۔ دیکھو اُوشا! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تمہاری دوستی کس کے ساتھ ہے اور دشمنی کس کے ساتھ ہے ۔ میری دلچسپی تمہارے بھائی کے ساتھ ہے ۔"

وہ چونک کر مجھے دیکھ رہی تھی ۔

"تمہیں معلوم ہے کہ سریش کی عبدالرحیم کے ساتھ لڑائی ہوتی تھی" ۔۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور دونوں نے ایک دوسرے کو قتل کی دھمکیاں دی تھیں ۔ میں حیران ہوں کہ ایک عورت اپنے بھائی کی بجائے ایک غیر مرد کا ساتھ دے رہی ہے ۔"

"آپ غلط کہہ رہے ہیں" ۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ "میں نے اس غیر مرد کا ساتھ چھوڑ دیا ہے ۔ میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ تمہیں معلوم ہے میرا بھائی کہاں ہے ۔"

"تم نے ایسا کیوں کہا تھا؟" ۔۔۔ میں نے پوچھا ۔۔۔ "تمہیں ایسا شک کیوں ہُوا تھا؟"

"عبدالرحیم نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ سریش نے اُسے قتل کی دھمکی دی ہے" ۔۔۔ اُس نے جواب دیا ۔۔۔ "سریش کی اُس کے ساتھ اچھی خاصی لڑائی ہوتی تھی ۔ عبدالرحیم نے مجھے کہا تھا کہ اپنے بھائی سے کہہ دینا کہ مجھ سے ٹکر لے گا تو اُس کی لاش بھی نہیں ملے گی ۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ وہ میرے بھائی کے متعلق ایسی باتیں نہ کرے ورنہ میں اس کے پاس آنا چھوڑ دوں گی ۔۔۔ اُس روز بات آئی گئی ہو گئی ۔ چند دنوں بعد سریش لاپتہ ہو گیا ۔ اُسے اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے ۔ میں یہ اُمید لگائے بیٹھی رہی کہ وہ ناراض ہو کر چلا گیا ہے ۔ واپس آجائے گا ۔۔۔۔

"پانچ چھ دن گزر گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ عبدالرحیم وار کر گیا ہے ۔ میں نے اُسے صاف کہا کہ میرا بھائی مجھے واپس کر دو ۔ وہ قسمیں کھانے لگا لیکن میں نے اعتبار نہ کیا ۔ عبدالرحیم قابلِ اعتبار ہو بھی نہیں سکتا ۔ وہ میرے ساتھ دوستی کر کے اپنی بیوی کو دھوکہ دے رہا تھا ۔ میں اُس کے پیچھے پڑی رہی اور وہ مجھ سے یہ منوانے

کی کوشش کرتا رہا کہ میرے بھائی کی گمشدگی میں اُس کا ذرا سا بھی عمل دخل نہیں ۔۔۔۔ میں نے اس کے ساتھ قطع تعلق کر لیا ہے ۔ میں یہ بات کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی ۔ میں آپ کا انتظار کرتی رہی ۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ مجھ سے نہ ملے تو میں آپ کے پاس خود ہی آجاؤں گی اور آپ کو بتا دوں گی کہ میرے بھائی کو عبدالرحیم نے غائب کیا ہے اور شاید قتل بھی کروا دیا ہے ۔"

"میرا خیال ہے کہ تم سریش کی بیوی کو تنگ کرتی ہو" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور بیوی اُسے تنگ کرتی رہی ہے، اس لئے وہ گھر سے بھاگ گیا ہے ۔۔۔ اس لڑکی کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

وہ کوئی تسلی بخش یا کوئی ٹھوس جواب نہ دے سکی ۔ مجھے اس کے جواب کی ضرورت بھی نہیں تھی ۔ میں کچھ اور معلوم کرنا چاہتا تھا ۔ اپنی ضرورت کے مطابق اس پر سوالوں کا جال پھینکا ۔ بہت دیر کی پوچھ گچھ اور جرح کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اُوشا کو سریش کی بیوی کے خلاف کوئی ٹھوس شکایت نہیں تھی ۔ اس لڑکی نے بھی اُوشا سے کہا تھا کہ وہ خاندان کی بدنامی کا باعث نہ بنے ۔ اس کے علاوہ اُوشا اس لڑکی سے اس لئے بھی جلتی تھی کہ یہ لڑکی اپنے آپ کو اُوشا سے زیادہ خوبصورت سمجھتی تھی ۔

"کیا میرا بھائی مل جائے گا؟" ۔۔۔ اُس نے پوچھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔

"اگر زندہ ہُوا تو مل جائے گا" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "لیکن جو شک تم نے ظاہر کیا ہے، اگر وہ صحیح نکلا تو پھر تم خود سوچ لو" ۔۔۔ اس کے آنسو دیکھ کر مجھے اس پر ترس آگیا اور اُس کے چال چلن کے متعلق سوچا تو مجھے اور زیادہ افسوس ہُوا ۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اُسے تمہارے گناہوں کی سزا ملی ہے ۔"

وہ کچھ دیر میرے منہ پر نظریں جما کر چپ رہی، پھر اُس کا سر جھک گیا ۔ میں بول بول کر تھک گیا تھا ۔ میں بھی چپ رہا ۔ آخر اُس نے سر اُٹھایا ۔

"ہاں، میں پاپی ہوں" ۔۔۔ اُس نے دھیمی سی آواز میں کہا ۔۔۔ "لیکن یہ پاپ میرے مذہب کا ہے ۔ کیا کوئی جوان عورت خاوند کے بغیر رہ سکتی ہے؟ عورت کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روح پیار کی پیاسی ہوتی ہے۔ ہندو بیوہ پیار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے مگر مرد کی فطرت ایسی ہے کہ وہ پیار کا دھوکہ دے کر عورت کو کھلونا بنا لیتا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی مجھ جیسی بدنصیب لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے تو اُس کی سہیلیاں اُس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔ ماں باپ اپنی بیٹیوں کو جوانی میں بیوہ ہو جانے والی لڑکی کے پاس بیٹھنے سے روک دیتے ہیں۔ یہی سلوک میرے ساتھ ہُوا۔ سریش کی بیوی جو ہمارے گھر میں رہتی ہے، مجھ سے دُور رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس نے مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ میرے کمرے میں نہ آیا کرو...

"اُسے اُس کے ماں باپ نے میرے ساتھ بول چال سے منع کر رکھا ہے۔ اپنے گھر کی لڑکی مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ کیا یہ میرا گناہ ہے کہ میرا خاوند مر گیا ہے؟ کیا اپنے خاوند کو میں نے قتل کیا ہے؟ اس سے بہتر تو ستی کی رسم تھی۔ عورت کو اُس کے خاوند کی لاش کے ساتھ ہی جلا دیا جاتا تھا۔ وہ ایک ہی بار جل کر راکھ ہو جاتی تھی، بیوگی میں پل پل نہیں جلتی تھی۔ بیوہ سے تو اُس کا باپ بھی نفرت کرتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں ایک غیر مرد کے پاس چوری چھپے جا کر خوش ہوتی ہوں؟ میں اپنے آپ کو کوستی ہوں لیکن میں رہ بھی نہیں سکتی۔"

جہاں تک تفتیش کا تعلق تھا، مجھے اُس کی ان باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ میں نے آپ کی دلچسپی کی خاطر لکھ دی ہیں تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ ہندو مذہب دراصل ہے کیا۔ اُوشا اپنے آپ کو کوستی بھی تھی اور رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنے ردِ عمل کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ اس کی بدچلنی اور وہ بھی ایک مسلمان کے ساتھ، انتقامی کارروائی تھی جو وہ اپنے مذہب اور اپنے سماج کے خلاف کر رہی تھی۔

اُوشا نے اُس کا گریبان پکڑ لیا

سریش کی گمشدگی کے پانچویں چھٹے روز اُس کے باپ نے رپورٹ دی تھی۔ تفتیش میں مزید چار پانچ دن گزر گئے تھے۔ ایک روز صبح سویرے اطلاع آئی

کہ ندی میں ایک لاش پڑی ہے۔ میں وہاں گیا۔ عبدالرحیم کا باغ قصبے سے ایک میل کے لگ بھگ دُور تھا۔ ندی اُس کے قریب سے گزرتی تھی۔ اس باغ سے تقریباً ایک میل آگے ندی نوّے درجے کے زاویے پر مُڑتی تھی۔ موڑ پر چٹان تھی جس سے پانی ٹکرا کر مُڑتا تھا۔ ندی برساتی تھی۔ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے، اُن دنوں اس میں پانی بہت تھوڑا تھا۔ کنارے کے ساتھ ساتھ پانی تھا۔ موڑ پر جا کر پانی گہرا ہو جاتا تھا۔ چھوٹی سی جھیل کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

لاش اس جھیل سے آگے پانی میں پڑی تھی۔ وہاں چونکہ پانی گہرا نہیں تھا اس لئے لاش بہہ کر آگے نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے لاش دیکھی۔ پرانی تھی۔ بہت سُوج گئی تھی اور کہیں کہیں سے کھائی ہوئی بھی تھی۔ چہرہ اتنا سُوج گیا ہُوا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ میری رائے یہ تھی کہ یہ جو کوئی بھی تھا، اسے قتل کر کے لاش جھیل میں پھینک دی گئی اور یہ اب تیر کر اُوپر آ گئی ہے۔ لاش پانی میں ڈوب جاتی ہے اور آٹھ دس روز بعد جب یہ سُوج جاتی ہے تو تہہ سے اُبھر کر سطح پر آ جاتی ہے۔

میں نے پہلا کام یہ کیا کہ سریش کے باپ اور سسر کو بلایا۔ اُن دنوں سریش ہی ایک آدمی تھا جس کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ آئی تھی۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لاش سریش کی ہے یا نہیں۔ اُس کا باپ اور سسر آئے تو سریش کی ماں اور بہن بھی ان کے ساتھ آگئیں۔ انہوں نے لاش کو بڑے غور سے دیکھا۔ سریش کے باپ نے وثوق سے کہا کہ یہ لاش سریش کی ہے۔ سریش کے سسر نے بھی یہی کہا، پھر سریش کی ماں اور اُس کی بہن اُوشا بُری طرح رونے لگیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ انہوں نے کس کس نشانی سے لاش کی شناخت کی تھی۔ ایک تو کپڑے تھے جو اُس نے پہن رکھے تھے اور ایک پُرانے زخم کا نشان بازو پر تھا۔

میں نے لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی۔ گمشدگی کا کیس اب قتل کا کیس بن گیا تھا۔ اُوشا اور اس کی ماں کی چیخیں اور بَین برداشت نہیں ہوتے تھے۔ ماں بار بار بَین کرتی تھی — "ہائے ڈائن میرے بچے کو کھا گئی... ہائے میں کس چڑیل کو بیاہ لائی تھی" — وہ سریش کی بیوی کو کوس رہی تھی اور سریش کے سسر کے چہرے پر قہر اُترا ہُوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے اس غم کو بھی میں سمجھتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ اس کی جوان بیٹی بیوہ ہو گئی تھی اور اُسے ساری عمر قابلِ نفرت عورت بن کر گھر بیٹھنا تھا اور اُوشا کی طرح اپنے خاندان کی بدنامی کا باعث بننا تھا۔

مجھے اُوشا کی چیخ نما آواز سنائی دی ـــــ "یہ ہے میرے بھائی کا قاتل۔"

میں نے اُدھر دیکھا۔ بہت سے تماشائی اکٹھے ہو گئے تھے۔ اُوشا اُن کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ ایک آدمی تماشائیوں سے پیچھے ہٹ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُوشا نے اُس تک پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اس آدمی نے اُوشا کو دھکا دے کر گریبان چھڑا لیا۔ میں نے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ اس آدمی کو اِدھر لے آؤ۔

اُوشا بھی اُس کے ساتھ آ گئی۔ وہ روتے ہوئے رٹ لگاتے چلی جا رہی تھی ـــــ "اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے.... اس پاپی نے.... اس پاپی نے.... یہ کہتا تھا مسلمان ہو جاؤ، تم سے شادی کر لوں گا۔" وہ بھائی کی لاش دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی، جو مُنہ میں آیا بکتی گئی۔

وہ آدمی میرے سامنے آیا۔ اچھا خوبرو آدمی تھا لیکن اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ میں نے اُس سے نام پوچھا۔

"عبدالرحیم" ـــ اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا ـــ "یہ چھٹی ہوئی بدکار عورت ہے جناب! اس کی نہ سنیں۔ جب دیکھو میرے باغ میں پہنچی ہوتی ہے اور کہتی ہے مجھے مسلمان کر لو.... میں بیوی بچوں والا ہوں۔"

"میں اس کے کہنے پر تمہیں پھانسی نہیں چڑھا دوں گا" ـــ میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ـــ "گھبراؤ نہیں۔ تمہاری پوری بات سنوں گا.... تم نے یہ لاش دیکھی تھی؟"

"ہاں جی" ـــ اُس نے کہا ـــ "دیکھی تھی۔ میں نے آپ کو اِدھر آتے دیکھا۔ پھر کسی نے بتایا کہ لاش برآمد ہوئی ہے۔ میں بھی آ گیا۔"

"تم سریش کو اچھی طرح جانتے تھے" ـــ میں نے پوچھا ـــ "کیا یہ اُسی کی لاش ہے؟"

"کون سریش؟" ـــ اُس نے حیران سا ہو کے پوچھا ـــ "میں نے اُسے

کبھی نہیں دیکھا۔"

"اُوشا کا بھائی سریش" ـــ میں نے کہا۔

میں نے اُوشا کو پرے ہٹا دیا تھا۔ عبدالرحیم سے کہا ـــ "اُوشا کو بلاتا ہوں۔ اس کے سامنے کہنا کہ تم سریش کو نہیں جانتے تھے۔"

وہ خاموشی سے میرے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا اور میں اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے پہ جو رنگ آ جا رہے تھے وہ مجھے تسلی دے رہے تھے کہ مجرم مل گیا ہے۔ اب اقبالِ جرم کرانا اور شہادت کی فراہمی رہ گئی ہے۔ لاش جا چکی تھی۔ میں نے سریش کے باپ اور اُس کی ماں اور اُس کے سُسر سے کہا کہ وہ تھانے چلیں۔ اُوشا کو الگ کر کے اچھی طرح سمجھایا کہ وہ میرے ساتھ رہے اور زبان بند رکھے اور اُسی بات کا جواب دے جو میں پوچھوں۔ اُس کی ذہنی حالت بہت بُری تھی۔ میری بات سمجھ نہیں رہی تھی۔ بڑی ہی مشکل سے اسے سمجھایا۔

اُوشا کو میں نے ساتھ لے لیا اور ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ وہ عبدالرحیم کو ساتھ لے اور اسی کے باغ میں چلا چلے۔

زرینہ کا پُراسرار حُسن

عبدالرحیم تیس اور پینتیس سال کے درمیان کی عمر کا خوبرو اور خوشحال آدمی تھا۔ اس کے متعلق مجھے کوئی اچھی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ اس کا باغ بڑا خوبصورت تھا۔ سبزیاں تھیں اور پھلوں کے درخت بھی تھے۔ یہ کوئی چار ایکڑ زمین تھی۔ اس میں اُس نے ایک مکان بنا رکھا تھا جس کے دو کمرے تھے۔ اس کے اردگرد پودوں اور جھاڑیوں کی گھنی باڑ تھی۔ اس سے عبدالرحیم کے ذوق کا پتہ چلتا تھا۔ وہ زندہ دل انسان تھا۔ باغ میں رہٹ بھی تھا۔

میں نے جاتے ہی باغ میں کام کرنے والوں کو الگ کر لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک ادھیڑ عمر تھا اور دوسرا عبدالرحیم کی عمر کا۔ ادھیڑ عمر کے بیوی بچے باغ میں ہی رہتے تھے۔ ان کا کچا مکان باغ کے ایک کونے میں تھا۔ دوسرا اکیلا تھا۔ اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیوی بچے قصبے میں رہتے تھے۔ میں نے ادھیڑ عمر مالی یا مزارعہ کی بیوی کو بھی بلا لیا۔ اس عورت کو دیکھ کر میں چونکا۔ وہ عورت نہیں جوان لڑکی لگتی تھی۔ اُس کی عمر پچیس چھبیس سال تھی لیکن اس سے کم لگتی تھی اور اس کا خاوند اس سے کم و بیش پندرہ سال بڑا تھا۔ عمر کے فرق کے علاوہ خاوند سوکھا مرجھایا ہُوا، دبلا پتلا اور بدصورت تھا اور اُس کی بیوی بڑے اچھے رنگ کی خوبصورت عورت تھی۔

خوبصورتی کچھ اور چیز ہوتی ہے۔ خوبصورتی پاک بھی ہوتی ہے اور بعض عورتوں کی خوبصورتی میں بدی کی آمیزش ہوتی ہے۔ خوبصورتی کی ان دو قسموں کے علاوہ ایک قسم اور بھی ہے جسے پولیس والے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس قسم کی عورتوں کے نقش تیکھے ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں مسکراتی ہیں ہونٹوں کے کونوں پر ہر وقت تبسم سا رہتا ہے۔ جسم میں دلکشی ہوتی ہے۔ ایسی عورت کسی مرد کو نظر بھر کر دیکھے تو اُس مرد کا جسم کانپ جاتا ہے۔ ایسی عورت کے انداز اور بات کرنے کے طریقے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تو پھنسی پھنسائی ہے مگر مرد کو ایسے چکر دیتی ہے کہ دن کو تارے دکھا دیتی ہے۔ ایسی عورتیں قتل کروا دیتی ہیں اور مقتول کی لاش پر ایسے بَین کرتی ہیں کہ پتھروں کے بھی آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ ایسی عورت پولیس کے کام کی ہوتی ہے۔ جاسوسی کے لئے ایسی ہی عورتوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تعلیم اور ٹریننگ مل جاتی ہے تو حکومتوں کے تختے اُلٹ دیا کرتی ہے۔

اُس نے اپنا نام زرینہ بتایا۔ وہ اُوشا کو دیکھ رہی تھی اور اُس کی آنکھیں مسکرا رہی تھی لیکن اُس کے چہرے پر اُداسی تھی۔ میں عبدالرحیم کو اُس کے مکان کے اندر لے گیا۔

"سنو بھائی عبدالرحیم!" — میں نے کہا — "تم نے کہا تھا کہ تم سریش کو نہیں جانتے۔ میں نے تو سُنا تھا کہ تم عقل والے آدمی ہو لیکن تم میں تو عقل ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اس پر غور کر لو۔ یہاں دوستوں کی طرح بات کروں گا۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ مجھے دوست اور مسلمان بھائی سمجھو، اور میں بھائی بن کر دکھاؤں گا۔ اگر مجھ سے زیادہ عقل مند بننے کی کوشش کرو گے تو بات

تھانے میں چلی جائے گی۔ وہاں میں اپنے سگے بھائی کو بھی بھائی نہیں سمجھا کرتا۔ اصل بات یہیں بتا دو۔ میں تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔ اگر نہ بچا سکا تو تمہارے وکیل کو ایسے نکتے بتا دوں گا کہ تم صاف بری ہو کر آ جاؤ گے۔"

"تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سریش کو میں نے قتل کیا ہے؟" — اُس نے تڑپ کر پوچھا۔

"میں نہیں، حالات اور شہادتیں کہہ رہی ہیں کہ سریش کو تم نے قتل کیا ہے" — میں نے کہا — "سب سے بڑی شہادت تو تم خود دے رہے ہو۔ سریش کو جانتے ہوئے کہہ رہے ہو کہ تم اسے نہیں جانتے۔"

"ہاں ملک صاحب!" — اُس نے کہا — "میں نے واقعی جھوٹ بولا ہے۔ میں سریش کو جانتا تھا۔ میں نے جھوٹ اس لئے بولا تھا کہ میں ہی شک میں نہ پکڑا جاؤں۔"

"شک میں پکڑے جانے کا ڈر کیوں پیدا ہُوا؟" — میں نے پوچھا — "کیا تمہارا اور سریش کا کوئی ایسا تعلق تھا کہ قتل تک کا اندیشہ تھا؟"

"ملک صاحب!" — اُس نے کہا — "آپ نے کس طرح یقین کر لیا ہے کہ سریش قتل ہُوا ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ اُس نے خودکشی کی ہے۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ لاش سریش کی ہی ہے؟"

"میں اگر اکیلا ہوتا تو یقین سے نہ کہتا کہ یہ لاش سریش کی ہے" — اُس نے جواب دیا — "اس کے ماں باپ، بہن اور سُسر نے کہہ دیا ہے کہ یہ اُسی کی لاش ہے تو میں نے بھی اسے اُسی کی لاش سمجھا۔"

"اب بتاؤ کہ تم اسے خودکشی کہہ رہے ہو" — میں نے کہا — "کیوں؟ خودکشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"بدچلن بہنوں کے بھائی یا تو قتل کیا کرتے ہیں یا اپنے آپ کو ختم کر لیتے ہیں" — اُس نے ایسے دانشمندانہ لہجے میں کہا جیسے مجھے طفلِ مکتب سمجھ رہا ہو۔

"ایسے بھائی قتل ہو بھی تو جایا کرتے ہیں نا، عبدالرحیم!" — میں نے کہا اور انجان بن کر اُس سے پوچھا — "کیا سریش کی بہن واقعی بدچلن ہے؟ میں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے متعلق اڑتی اڑتی کچھ باتیں سُنی ہیں۔"

"ملک صاحب! یہ جوانی میں بیوہ ہو گئی ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اور جھک مارتی پھرتی ہے۔"

"کہاں کہاں؟"

"میں نے بھی سُنا ہے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "آپ کی طرح میں بھی زیادہ نہیں جانتا۔"

"اُوشا تمہارے گلے کیوں پڑ گئی تھی؟"

"بڑی مکار اور عیار عورت ہے جی!"۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ "میرے پیچھے پڑی رہی ہے۔ میں بیوی بچوں والا ہوں۔ میں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ یہ پھر بھی باز نہ آئی۔ میں نے اسے گالی گلوچ کر کے باغ سے نکال دیا۔ اس نے جاتے جاتے کہا کہ دیکھنا میں تمہیں کیسا ذلیل کرتی ہوں۔ میں نے پرواہ نہ کی۔ آج اسے موقعہ مل گیا ہے۔"

"تمہارا اس عورت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں؟"

"میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں"۔۔۔ اُس نے وثوق سے کہا۔۔۔ "آپ اس کی زبان پر اعتبار کر لیں تو یہ میری بدقسمتی ہو گی۔"

"چلو یار!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "آؤ تھانے چل کر بیٹھیں گے۔ وہاں گپ شپ ہو گی۔"

میں وہاں سے چلنے لگا تو اُس نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولا۔۔۔ "آپ پہلی بار میرے ہاں تشریف لاتے ہیں۔ کچھ خدمت کا موقعہ دیں۔"

"کیا خدمت کرو گے؟"

"جو آپ کہیں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میں تھانے کی بے عزتی سے بچنا چاہتا ہوں۔ آپ جو حکم کریں پیش کر دوں گا۔"

اس پیشکش سے اس کے خلاف شک پختہ ہو گیا۔ وہ اگر بے قصور تھا تو اسے رشوت پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے اسے کہا کہ تھانے چل کر بات کر لیں گے۔ وہ اس توقع پر ساتھ چل پڑا کہ میں اس سے کچھ "خدمت" کرا کے اسے چھوڑ

دوں گا۔

دونوں مزارعوں اور ایک مزارعہ کی بیوی زرینہ کو بھی تھانے چلنے کو کہا۔ اُوشا بھی ساتھ جا رہی تھی۔

اُوشا کا بھائی اور چوہدری

یہ واردات خودکشی کی بھی ہو سکتی تھی۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ سریش کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جو کسی بھی انسان کو اپنی جان لینے پر مجبور کر سکتے ہیں لیکن جس طرح عبدالرحیم جھوٹ بول رہا تھا اس سے غالب شک یہ تھا کہ سریش کو عبدالرحیم نے قتل کیا یا کروایا ہے۔ تھانے میں جا کر میں نے اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اصل بات بتا دے مگر وہ میری "خدمت" پر کمر باندھے ہوئے تھا۔ میں نے اسے الگ بٹھا دیا اور اُس جواں سال مزارعہ کو اپنے سامنے بٹھایا جس کے بیوی بچے قصبے میں رہتے تھے۔ اُسے کہا کہ وہ غریب آدمی ہے۔ اُس کا جھوٹ اُسے پھنسا دے گا، اُس کے گناہگار آقا کو بچا نہیں سکے گا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اُس سے جو کچھ پوچھا جائے گا وہ بالکل سچ بتائے گا۔ میں نے سب سے پہلے اُوشا کے متعلق پوچھا کہ وہ اسے جانتا ہے یا نہیں۔

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "باغ میں چوہدری صاحب (عبدالرحیم) کے پاس آیا کرتی تھی۔"

"کیا عبدالرحیم ہر وقت باغ میں رہتا تھا؟"

"نہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "دن کو دو تین گھنٹوں کے لئے آتا تھا۔"

"اُوشا عموماً کس وقت آتی تھی؟"

"صبح سویرے جب ابھی روشنی پوری نہیں ہوتی تھی"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "اُس صبح چوہدری صاحب بھی آ جاتے تھے۔ ویسے وہ دیر سے آتے ہیں ... کبھی کبھی رات کو بھی آ جاتی ہے۔ اُس وقت بھی چوہدری صاحب باغ میں موجود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتے ہیں۔"

"پیغام کون لاتا لے جاتا ہے؟"

اُس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ کسی کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہیئے کہ اُس نے یہ باتیں بتائی ہیں۔ میں نے اسے یقین دلایا، تسلی دی، حوصلہ بڑھایا تو اُس نے جواب دیا کہ ان کے درمیان زرینہ ہے۔ کبھی عبدالرحیم اس کی زبانی اُدشا کو پیغام بھیجتا ہے اور کبھی اُدشا چوہدری کو پیغام بھیجتی ہے۔

سریش کے متعلق اُس نے بتایا ــــ "میں اسے جانتا ہوں۔ وہ اُدشا کا بھائی ہے اور وہ دو مرتبہ باغ میں آیا تھا۔ تقریباً بیس روز گزرے وہ آخری بار آیا تھا۔ ہم اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ سریش اور چوہدری صاحب ہم سے دُور کھڑے اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ان میں ہاتھا پائی ہو جائے گی۔ میں کام کرتے کرتے ان کے کچھ قریب چلا گیا۔ سریش کہہ رہا تھا ــــ 'چوہدری! عقل کرو گے تو کیا ہو گا۔ تمہاری زندگی تھوڑی رہ گئی ہے' ــــ چوہدری صاحب نے کہا ــــ 'اوتے لڑکے! تجھے بار بار کہہ رہا ہوں جا دکان پہ بیٹھ۔ تیری تو لاش بھی نہیں ملے گی' ــــ سریش نے چوہدری کا ہاتھ ایک ہاتھ میں پکڑا اور اس پر اپنا دوسرا ہاتھ مار کر کہا ــــ 'دنیا دیکھے گی چوہدری! یہ باہر لاش کس کی پڑی ہے' ــــ اور وہ بہت تیز تیز چلا گیا۔"

"ذرا یاد کرنے کی کوشش کرو" ــــ میں نے اُسے کہا ــــ "دس روز پہلے عبدالرحیم رات کو باغ میں آیا تھا؟ یا سریش کو تم نے باغ میں یا باغ کے قریب کہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "میں رات کو عشا کی نماز تک یہاں ہوتا ہوں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ میں نہیں جانتا۔"

ہوتی خاوند حسین بیوی

اس مزارعہ سے مجھے بہت کچھ مل گیا۔ ابھی اس سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔ یہ تو ابتدائی پوچھ گچھ تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ اور زیادہ سوچے۔ اُسے کچھ باتیں یاد

آجائیں گی۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ کسی کو نہ بتائے کہ میں نے اس سے کیا پوچھا ہے، اور اگر مجھے کسی دوسرے سے پتہ چلا کہ اسے فلاں بات بھی معلوم تھی جو اُس نے مجھ سے چھپائی ہے تو اُسے شہادت چھپانے کے جُرم میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ وہ بے چارہ غریب مزارعہ اتنی جرأت کہاں کر سکتا تھا۔ ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ وہ کچھ نہیں چھپائے گا اور اُس نے منّت کی کہ میں کسی کو پتہ نہ چلنے دوں کہ اُس نے مجھے کیا بتایا ہے۔

اس کی مزید تصدیق کی ضرورت نہیں تھی کہ اُدشا عبدالرحیم کے پاس آتی رہی ہے اور عبدالرحیم اور سریش کا اس پر جھگڑا ہوا تھا۔ عبدالرحیم جھوٹ بول رہا تھا۔ پھر بھی میں نے مزید تصدیق ضروری سمجھی۔ دوسرے مزارعہ کو جو زرینہ کا خاوند تھا، بلایا۔ وہ بدصورت ہی نہیں تھا، بیوقوف بھی تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اُدشا کو جانتا ہے؟ وہ مُنہ کھول کر میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اور بولا کچھ بھی نہیں۔ میں نے اپنا سوال دہرایا تو وہ بولا ــــ "نہ جی، مجھے کیا پتہ ہے۔"

"تم باغ میں نہیں رہتے؟" ــــ میں نے پوچھا ــــ "کیوں پردہ ڈال رہے ہو؟ میں جانتا ہوں تمہیں معلوم ہے کہ اُدشا باغ میں جاتی رہی ہے۔"

"میں نہیں بتاؤں گا" ــــ اُس نے کہا ــــ "چوہدری صاحب ناراض ہو جائیں گے۔"

مجھے غصہ آنا چاہیئے تھا لیکن میری ہنسی نکل گئی اور میں کچھ دیر اس آدمی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے سوچتا رہا کہ انسان کو غربت کس حد تک لے جاتی ہے۔ یہ شخص اپنے چوہدری صاحب کو قانون سے بالا اور تھانیدار سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔

"تمہیں اتنی خوبصورت بیوی کس طرح مل گئی ہے؟" ــــ میں نے مذاق کے لہجے میں پوچھا۔

"اپنی اپنی قسمت ہے" ــــ اُس نے کہا ــــ "یہ رشتہ چوہدری صاحب نے کرایا تھا اور مجھے اپنے باغ میں رکھ لیا تھا۔ باغ میں ہی مکان بنا دیا تھا۔ میری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلی بیوی مر گئی تھی۔"

"اور تمہاری بیوی چوہدری صاحب کی بہت خدمت کرتی ہو گی!"— میں نے کہا۔

"بہت جی، بہت"— اُس نے کچھ فخریہ لہجے میں کہا— "چوہدری صاحب زیادہ وقت باغ میں ہی گزارتے تھے اور میری بیوی کو بلا لیتے تھے۔ اسے کہتے مجھے اپنی بیوی زہر لگتی ہے۔ تمہیں دیکھ کر میری روح بھی خوش ہو جاتی ہے۔"

"چوہدری صاحب بہت اچھے آدمی ہیں"— میں نے کہا— "غریبوں کا تو بہت خیال رکھتے ہیں"

"ہاں جی، مجھ پر تو اتنا کرم کرتے ہیں کہ میں ان کے لئے اپنا خون بھی دینے کو تیار رہتا ہوں"— اُس نے کہا— "میری بیوی کو انہوں نے جو کپڑے دیتے ہیں وہ ہم جیسے نوکر چاکر خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

میں اس کے ساتھ اسی طرح باتیں کرتا رہا جیسی وہ کر رہا تھا اور وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے بولتا چلا گیا۔ اُسے عزت بے عزتی کا ذرا سا بھی احساس نہیں تھا۔ اُسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ عبدالرحیم نے اُسے اس لڑکی کا رشتہ کیوں لے دیا تھا اور اُسے باغ میں ہی مکان کیوں بنا دیا تھا اور وہ اس کی بیوی کو ایسے کپڑے کیوں دیتا تھا جو نوکر چاکر خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ ایک تھانیدار سے باتیں کر رہا ہے اور اس کا چوہدری پولیس کے جال میں آگیا ہے۔ وہ بولتا چلا گیا اور میں اُسے لقمے دیتا چلا گیا۔

میں نے ایسے بے شمار مزارعے اور نوکر چاکر دیکھے ہیں۔ ہر تھانیدار دیکھتا ہے اور کسی سے پوچھے بغیر سمجھ جاتا ہے کہ ان کی ذہنی اور اخلاقی حالت کیا ہے۔ زرینہ کے خاوند کی باتوں سے اور کچھ اپنے تجربے سے میرے ذہن میں کچھ خیال پیدا ہوتے۔ میں نے ان کے مطابق اس سے کچھ باتیں کیں لیکن تفتیش اور تحقیقات کے انداز سے نہیں۔

"کچھ عرصے سے چوہدری صاحب تم لوگوں پر اتنے مہربان نہیں رہے تھے جتنا پہلے تھے"— میں نے کہا— "میرا خیال ہے اس ہندو لڑکی نے جس

کا نام اُوشا ہے، انہیں زرینہ سے کچھ دُور کر دیا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں جی، ہندو بڑی پلید قوم ہے"— اُس نے کہا— "اپنی لڑکیوں کو سنبھال کر نہیں رکھتے اور وہ ہر کسی کو خراب کرتی پھرتی ہیں۔"

"اُوشا جب باغ میں آتی تھی تو تمہاری بیوی سے بات چیت کرتی تھی؟"

"ہاں جی!"— اُس نے کہا— "وہ میری بیوی کے پاس بہت دیر بیٹھی رہتی تھی، کبھی کبھی اسے دو چار آنے بھی دے جاتی تھی۔"

"زرینہ چوہدری عبدالرحیم کے گھر بھی جاتی ہو گی"— میں نے کہا— "اس کی بیوی کا زرینہ کے ساتھ کیسا سلوک ہے؟"

"وہ بہت بُری عورت ہے"— اُس نے کہا— "میری بیوی کو اچھا نہیں سمجھتی۔ چوہدری صاحب بھی کہتے ہیں کہ اُن کی بیوی بہت بُری عورت ہے۔"

اس کے ساتھ کچھ دیر اور باتیں ہوتیں لیکن وہ بالکل ہونق تھا۔ میں نے کچھ کام کی باتیں اس سے اُگلوا لیں لیکن میرا اصل مسئلہ کچھ اور تھا۔ مجھے ایسی شہادت اور سراغ درکار تھا جس سے میں ثابت کر سکتا کہ سریش کو عبدالرحیم نے قتل کیا اور لاش پانی میں پھینک دی تھی۔ اگر ایسے ہُوا ہے تو عبدالرحیم نے یہ واردات اکیلے نہیں کی ہو گی۔ اس کے ساتھ کم از کم ایک آدمی کا ہونا لازمی تھا۔ دوسرے مزارعہ پر مجھے شک تھا۔ زرینہ کا خاوند اس کام کے قابل نہیں لگتا تھا۔

ایک مشکل یہ بھی پیدا ہو گئی کہ لاش کا پوسٹ مارٹم قصبے کے ہسپتال میں نہ ہو سکا کیونکہ لاش بُری طرح سُوج گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی گردن ہے ہی نہیں۔ قصبے کے سرکاری ہسپتال میں سیدھا سادا عام قسم کا پوسٹ مارٹم ہُوا کرتا تھا۔ سریش کی لاش کا پوسٹ مارٹم پیچیدہ تھا۔ لاش چالیس میل دُور بھیج دی گئی۔ میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ قتل کی واردات ہے۔ میں نے حالات اور قرائن کی روشنی میں اسے قتل کہہ دیا تھا اور اس خیال سے تفتیش شروع کر دی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حُسن بے مثال، قسمت بہت بُری

اب زرینہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ کتنے دلکش جسم اور کتنے حسین چہرے مہرے والی جوان عورت تھی۔ میں نے اس پر تھانیداری کا رعب نہ گانٹھا۔ اس کے ساتھ ایسے انداز سے بات کی جیسے وہ مجھ سے ملنے آئی ہو اور میں گپ شپ لگانا چاہتا ہوں۔ ایسی عورتیں بڑی جلدی بے تکلف ہو جایا کرتی ہیں۔

"ہمارے چوہدری کو ہندوؤں نے آخر پکڑوا ہی دیا ہے"۔۔۔ زرینہ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ خود پکڑا گیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور تم جانتی ہو کہ وہ کیوں پکڑا گیا ہے ۔۔۔ میری ایک بات غور سے سن لو زرینہ! جو کچھ تم جانتی ہو سچ سچ بتا دو۔ اب چوہدری سے نہ ڈرنا۔ اس کی چوہدراہٹ ختم ہو گئی ہے۔ مجھے تمہارے متعلق ہر ایک بات معلوم ہے۔ مجھے تم پر ترس آتا ہے کہ خدا نے تمہیں جتنا حسن دیا ہے اتنی اچھی قسمت نہیں دی۔ یہ خاوند تمہارے قابل نہیں تھا۔ عمر میں بڑا، شکل صورت سے گیا گزرا اور بالکل احمق۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ عبدالرحیم نے تمہارا رشتہ اس آدمی سے کیوں کرایا تھا اور تمہیں باغ میں ہی کیوں مکان دے دیا تھا۔ تم اپنے خاوند کی نہیں عبدالرحیم کی بیوی ہو ۔۔۔ میری کسی بات سے گھبرانا نہیں۔ تم میری مجرم نہیں ہو۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"۔

"آپ بات تو کریں"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں جو کچھ جانتی ہوں بتا دوں گی"۔

میں اُس سے اُوشا اور عبدالرحیم کے تعلقات کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ ان دونوں کے تعلقات کس طرح شروع ہوتے تھے اور وہ کس طرح پیغام رسانی کرتی رہی ہے۔ زرینہ کو اُن کی ملاقاتیں پسند نہیں تھیں کیونکہ اُس کی جگہ اُوشا نے لے لی تھی اور زرینہ پر عبدالرحیم کی کرم نوازی کم ہو گئی تھی مگر زرینہ چوہدری کی حکم عدولی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ زرینہ

عبدالرحیم کی رازدان تھی۔ اس کی وجہ سے عبدالرحیم اسے خوش رکھتا تھا۔ زرینہ اُس سے جو بات پوچھتی وہ بتا دیتا تھا۔ اب میں نے زرینہ کو بتایا کہ عبدالرحیم کس جُرم میں پکڑا گیا ہے تو میں نے دیکھا کہ اُسے اس کی خوشی ہوتی اور وہ پوری طرح میرے ساتھ تعاون کرنے لگی۔

"مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ عبدالرحیم نے اُوشا کے بھائی کو کس طرح قتل کیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور پانی میں لاش پھینکنے کون گیا تھا؟"

"میں اتنا زیادہ تو نہیں جانتی"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "یہ کہہ سکتی ہوں کہ اُوشا کا بھائی ہمارے چوہدری کے ہاتھوں قتل ہوا ہے .... ایک رات چوہدری باغ میں آیا اور مجھے بلایا۔ میں جان گئی کہ مجھے کہے گا کہ اُوشا کو بلا لاؤ۔ میں ایسے وقت نہیں جانا چاہتی تھی۔ میں اُس کے پاس گئی تو اُسے غصّے کی حالت میں دیکھا۔ کہنے لگا کہ بیوی سے لڑائی ہو گئی ہے۔ بیوی اُسے بدکاری سے منع کیا کرتی تھی۔ اُس رات اُن کی لڑائی کچھ زیادہ ہی ہو گئی۔ میرا چوہدری پر بہت اثر ہے۔ میں اسے ہر حالت میں سنبھال لیا کرتی ہوں۔ باغ والے مکان میں اس نے شراب بھی رکھی ہوتی ہے۔ میں نے اُسے بہت پریشان اور غصّے کی حالت میں دیکھا تو شراب کی بوتل اور گلاس نکال لائی۔ پانی بھی لے آئی اور شراب اور پانی گلاس میں ڈال دیا ....

"اُس نے کہا کہ آج تم بھی پیو۔ اس سے پہلے میں نے تین چار بار پی تھی۔ میں شراب کی عادی نہ ہو سکی۔ اس کے کہنے پر میں نے دوسرا گلاس لیا اور تھوڑی سی شراب ڈال لی۔ وہ پینے لگا اور غصّے میں ذرا زیادہ پی گیا لیکن ہوش میں رہا اور ہوش کی باتیں کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ سریش نے اُسے دھمکی دی ہے اور اب وہ سریش کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں نے اُسے کہا کہ سریش کی بہن آپ کے قبضے میں ہے، سریش کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے نشے میں کوئی بات نہ چھپائی اور ایک نئی بات بتائی ....

"اُس نے بتایا کہ آج بیوی نے اس کے ساتھ اس لئے لڑائی کی ہے کہ سریش اُس کی بیوی سے ملا تھا اور اُسے کہا تھا کہ اپنے خاوند کو بدکاری سے روکو، ورنہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ بیوی پہلے ہی چوہدری کے خلاف بھری بیٹھی تھی۔ اُس نے سریش سے کہا کہ وہ اپنی بہن کو کیوں نہیں روکتا۔ سریش نے اسے کہا کہ وہ ماں باپ کے ہاتھوں مجبور ہے۔ وہ تنگ آکر اپنی بہن کا گلا گھونٹ دے گا۔ اس طرح ان دونوں میں بڑی اچھی طرح باتیں ہوتی رہیں۔ چوہدری کی بیوی نے سریش سے کہا کہ وہ عورت ذات ہے، مرد کو بدی سے کس طرح روکے۔ سریش نے اُسے کہا کہ چوہدری نے میری بہن کے ساتھ یارانہ گانٹھ رکھا ہے۔ آؤ ہم آپس میں دوستی کر لیں اور تم اپنے خاوند کو بتانا کہ تم نے سریش کی بہن کو بیوی بنا رکھا ہے تو میں نے سریش کو خاوند بنا لیا ہے ....

"چوہدری نے مجھے بتایا کہ اُس کی بیوی نے اُسے کہا کہ وہ یعنی چوہدری اپنی کرتوت سے باز نہ آیا تو بیوی بھی ایسے ہی کرتوت شروع کر دے گی اور شروع سریش سے کرے گی۔ کون خاوند ایسی بات برداشت کر سکتا ہے۔ چوہدری نے اپنی بیوی کے منہ پر تھپڑ مارا تو بیوی نے آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ چوہدری باغ میں آگیا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اب میں سریش کو نہیں چھوڑوں گا ....

"اُس نے رات باغ میں گزاری۔ اگلے روز اس نے مجھے کہا — تم نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ایک اور طریقے سے اس ہندو بنئے کو ذلیل کروں گا۔ تم ذرا ہمت کرو سریش کی بیوی کو باغ میں لے آؤ — میں نے اسے کہا کہ یہ کام آسان نہیں ہوگا۔ کہیں مجھے ہی جوتے نہ پڑ جائیں — چوہدری نے کہا — 'یہ کام کر دو تو جو مانگو گی دوں گا' — میں نے اُسے کہا کہ کام کر دینے کا وعدہ نہیں، میں کوشش کروں گی۔"

سریش کی بیوی اور باغ

زرینہ نے مجھے پوری تفصیل سے بتایا کہ اُس نے سریش کی بیوی کے ساتھ کس طرح دوستی پیدا کی۔ وہ لڑکی ہنس مکھ اور کھلنڈری تھی۔ اُسے زرینہ بڑی اچھی لگی۔ دو ملاقاتوں میں اتنی بے تکلفی پیدا ہو گئی کہ راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔

سریش کی بیوی نے سریش کے خلاف باتیں شروع کر دیں۔ زرینہ نے اُس کی یہ دکھتی رگ پکڑے رکھی اور ایک روز اُسے باغ میں لے گئی۔ اُس روز عبدالرحیم باغ میں نہیں تھا۔ زرینہ اور یہ ہندو لڑکی گہری سہیلیاں بن چکی تھیں۔ زرینہ نے اسے اپنی اصلیت نہیں بتائی تھی بلکہ عبدالرحیم کو اپنا بھائی ظاہر کیا تھا۔

میں نے آپ کو تفصیل سے وہ ڈھنگ طریقے نہیں بتائے جو زرینہ نے اس لڑکی کو پھانسنے کے لئے اختیار کئے تھے۔ یہ طریقے دلچسپ تھے، حیران کن بھی اور ان میں فنکاری بھی تھی۔ میں کچھ طوالت کی وجہ سے اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ کہانی میں بلاوجہ لذت پیدا کرنا میرا مقصود نہیں، میں اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ انسان میں درندگی بھی ہے اور انسان میں اس قدر فریب کاری ہے جہاں تک شاید تصور بھی نہیں پہنچ سکتا، اور اس کے ساتھ ہی یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کیسی کیسی کمزوریاں ہیں کہ وہ فریب میں آجاتا ہے۔

سریش کی بیوی زرینہ کے فریب میں آگئی اور وہ دوسرے دن بھی زرینہ کے ساتھ باغ میں چلی گئی۔ زرینہ نے پروگرام یہ بنا رکھا تھا کہ دو تین بار باغ میں لے جا کر ایک روز اسے عبدالرحیم سے ملوا دے گی، جو رسمی سی ملاقات ہوگی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ان کی دوستی پکی کرا دے گی، مگر عبدالرحیم اور زرینہ ایک پہلو کو نظر انداز کر رہے تھے۔ اس پہلو پر سریش کی بیوی کی نظر پڑ گئی۔ وہ جب دوسری مرتبہ باغ میں گئی تو اُس نے زرینہ سے اس کے "بھائی" کا نام پوچھا۔ سریش کی بیوی نے چونک کر باغ کا جائزہ لیا اور زیرِ لب "عبدالرحیم" کہہ کر سوچ میں پڑ گئی۔

"یہ وہی باغ ہے" — اُس نے کہا — "اس کے مالک کا نام چوہدری عبدالرحیم ہے نا! اور تمہارا نام زرینہ ہے جسے زرو کہتے ہیں۔"

زرینہ ایسی چکرائی کہ اس کے منہ سے "ہاں" نکل گئی۔

"اور وہ جو میں نے سنا ہے کہ عبدالرحیم کی ایک بڑی خوبصورت لڑکی ہے، وہ تم تو نہیں؟" — سریش کی بیوی نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں حیرت بھی تھی اور غصہ بھی۔ اُس نے زرینہ کے کندھے پکڑے اور اسے جھنجھوڑ کر کہا — "سچ بتاؤ تم کون ہو اور میرے ساتھ تم نے دوستی کیوں کی ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زرینہ نے اسے چکر دینے کی کوشش کی لیکن اس ہندو لڑکی کو یاد آگیا کہ یہ وہ باغ ہے جہاں اُس کے خاوند کی بہن اُوشا آیا کرتی ہے۔ وہ اس قدر بھڑکی کہ زرینہ کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُس نے لڑکی سے صاف کہہ دیا کہ عبدالرحیم اُس کی محبت میں تڑپ رہا ہے۔ سریش کی بیوی نے زرینہ کے مُنہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور ایسا ہی ایک اور تھپڑ اُس کے دوسرے گال پر مارا۔ پیشتر اس کے کہ زرینہ سنبھلتی، لڑکی جا چکی تھی۔

زرینہ نے عبدالرحیم کو بتایا کہ یہ لڑکی اس کے جال میں نہیں آسکتی۔

ایک نے ٹانگیں جکڑیں دوسرے نے کمر سے پکڑا

زرینہ نے ایک واقعہ اور سنایا جس روز سریش کی بیوی زرینہ کے مُنہ پر تھپڑ مار کر چلی گئی تھی، اس سے تین روز بعد کا یہ واقعہ ہے۔ موسم نہ گرم تھا نہ سرد۔ رات لوگ صحن میں کمبل اوڑھ کر سوتے تھے یا برآمدوں میں۔ زرینہ باغ میں اپنے مکان کے باہر سوتی ہوتی تھی۔ اُس کا خاوند اندر سوتا تھا۔ اچانک زرینہ کی آنکھ کھلی مگر اُس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ ایک آدمی نے اس کی ٹانگیں جکڑ لی تھیں اور دوسرے نے اسے اٹھا کر کمر سے پکڑ لیا۔ اس کی آواز نہیں نکل سکتی تھی۔

دو آدمی اسے اٹھا کر ندی کی طرف چلے گئے۔ زرینہ اپنے انجام سے آگاہ تھی۔ اُنہوں نے اسے ندی کی ریت پر جا اُتارا اور اس کے مُنہ سے کپڑا اُتار دیا۔

"میں سریش ہوں"۔۔۔ ایک آدمی نے اپنا مُنہ اس کے مُنہ کے قریب کر کے کہا۔۔۔ "اچھی طرح پہچان لو اور یہ میرا ایک دوست ہے لیکن ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کریں گے جو تم سوچ رہی ہو۔ ہم تمہیں بے عزت نہیں کریں گے کیونکہ تمہاری کوئی عزت نہیں۔ تم بے غیرت عورت ہو۔ میں تمہیں اس لئے یہاں لایا ہوں کہ تم سمجھ جاؤ کہ تم قتل بھی ہو سکتی ہو اور اس سے پہلے تمہارے ساتھ بہت بُرا سلوک ہو سکتا ہے۔ تم جانتی ہو تم نے کیا کیا ہے۔"

زرینہ اندر باہر سے کانپ رہی تھی۔

"چلو، ہم تمہیں وہیں چھوڑ آتے ہیں جہاں سے اُٹھا لائے تھے"۔۔۔ سریش نے کہا۔۔۔ "اپنے چوہدری کو بتا دینا کہ رات سریش اور اس کا ایک دوست مجھے اٹھا کر لے گئے تھے۔ اُسے کہنا کہ ہم اُس کی بیوی کو بھی اُٹھا کر لے جا سکتے ہیں لیکن وہ شریف اور مظلوم عورت ہے۔ میں اُس سے انتقام نہیں لینا چاہتا۔"

وہ دونوں اسے ماغ تک چھوڑ گئے۔ اُس نے عبدالرحیم کو بتایا۔ عبدالرحیم کا ردِعمل پہلے بڑا جوشیلا تھا، پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس سے چار پانچ روز بعد اُوشا نے زرینہ کو بتایا کہ اُس کا بھائی سریش معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔

"زرینہ!"۔۔۔ میں نے جھنجلا کر کہا۔۔۔ "تم مجھے یہ بتاؤ کہ عبدالرحیم نے سریش کو کب اور کہاں قتل کیا ہے؟"

"میں آپ کو قرآن پاک اور خدا کی قسموں کے سوا کسی اور طریقے سے یقین نہیں دلا سکتی کہ مجھے قتل کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں"۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ "مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ بتا رہی ہوں۔"

میں نے بہت کوشش کی کہ اس سے کوئی واضح بات اگلوا سکوں لیکن میں ناکام رہا اور میں اس نتیجے پر بھی پہنچا کہ اس عورت کو مزید کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسے میں نے باہر بٹھا دیا اور عبدالرحیم کو بلایا۔

"چوہدری عبدالرحیم!"۔۔۔ میں نے اُسے کہا۔۔۔ "مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ تم سریش کو نہیں جانتے اور تم نے اُوشا کے متعلق کیوں جھوٹ بولا تھا۔ میری تسلی کر دو اور تم فارغ ہو۔"

"دیکھ لیں کہ میرے خلاف کیا طوفان کھڑا ہو گیا ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میں نے یہ سوچ کر جھوٹ بولا تھا کہ اگر میں نے بتا دیا کہ سریش اور اُس کی بہن کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے تو آپ قتل کا سب سے پہلا شک مجھ پر کریں گے۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ آپ کو یہ ساری باتیں پہلے سے معلوم ہیں یا معلوم ہو جائیں گی۔ میں نے واقعی جھوٹ بولا ہے لیکن قتل کے الزام سے بچنے کے لئے نہیں۔ قتل کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے اُس سے وہ تمام باتیں پوچھیں جو مجھے سریش کے دوستوں سے، اُوشا سے اور زرینہ سے معلوم ہوتی تھیں۔ اُس نے کسی ایک بھی بات کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ ہر ایک بات مانتا چلا گیا۔

"میں آپ کو ایک اور واقعہ سنا دیتا ہوں۔ یہ میرے اور سریش کے سوا کسی کو معلوم نہیں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "جب زرینہ نے مجھے بتایا کہ رات کو اُسے سریش اُٹھا کر لے گیا تھا اور اُس پر دست درازی کرنے کی بجائے اُسے واپس چھوڑ گیا تھا تو بھی میں نے اُسے قتل کرنے کی نہیں سوچی تھی۔ میں اُس روز سریش سے ملا اور اُسے کہا کہ اوچھی اور کمینہ حرکتیں نہ کرو۔ تمہیں بدلا مجھ سے لینا ہے۔ جس روز بدلہ لینے آؤ گے اُس روز دیکھیں گے کہ کون مرد ہے۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری بہن خود میرے پاس آتی ہے۔ میں اُسے گھر سے اُٹھا کر نہیں لایا کرتا۔ میں اکیلا قصوروار نہیں ہوں۔ تم ایک سوتی ہوئی عورت کو اُٹھا کر لے گئے۔ یہ کوئی مردانگی نہیں۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا اور چلا گیا۔ دو یا تین روز بعد اُوشا نے مجھے بتایا کہ سریش کسی کو بتائے بغیر کہیں چلا گیا ہے۔ اس سے پانچ چھ روز بعد اُوشا باغ میں آتی اور مجھے کوسنے لگی۔ کہتی تھی کہ سریش کو میں نے غائب کیا ہے۔ میں نے اسے بہت کہا کہ اُس کا الزام بالکل غلط ہے لیکن وہ نہ مانی اور اُس نے باغ میں آنا چھوڑ دیا۔"

میں عبدالرحیم کو اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی چھوڑ نہیں سکتا تھا اور اسے ابھی گرفتار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو میں نے باقی سب کو جانے کی اجازت دے دی، عبدالرحیم کو تھانے میں ہی رکھا۔ اس کے رشتہ دار آ گئے تھے۔ وہ خوشحال زمیندار تھے۔ میرے پاس بیٹھ کر اُسے کوستے رہے۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ اقبالِ جرم کر لے تو میں اس کی بہت مدد کر سکتا ہوں۔ انہوں نے اسے کہا بھی لیکن اس نے چلانا اور چیخ چیخ کر بولنا شروع کر دیا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اس کی بیوی کو بھی تھانے بلاؤں گا۔ اس پر وہ اور زیادہ تڑپا۔

میں نے اُسے کہا کہ وہ سو جائے۔ اُس پر ذرا سا بھی تشدد نہیں ہو گا۔

چوہدری! اقبالِ جرم کر لو

آدھی رات سے کچھ پہلے تک تو میں نے اُس سے پوچھ گچھ جاری رکھی۔ اس کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی۔ اسے ابھی میں حوالات میں بند نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی تو یہ بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ مرنے والا قتل ہُوا ہے یا اُس نے خودکشی کی ہے۔ میں اے۔ ایس۔ آئی اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو کچھ ہدایات دے کر اپنے گھر چلا گیا۔

اگلی صبح میں تھانے گیا تو پتہ چلا کہ اے۔ ایس۔ آئی اور ہیڈ کانسٹیبل نے اُسے ساری رات سونے نہیں دیا۔ وہ باری باری جاگتے رہے اور انہوں نے پوچھ گچھ جاری رکھی۔ اس کے ساتھ دوستانہ باتیں بھی کرتے رہے اور اسے ڈراتے بھی رہے۔ صبح تک اُس کی حالت اُس کے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ وہ بدمعاش اور بدکار تھا، پیشہ ور مجرم نہیں تھا۔ وہ عزت دار آدمی تھا۔ اُس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور اُس کے آنسو بہنے لگے۔

میں نے یہی ایک رٹ جاری رکھی۔۔۔ "چوہدری اقبالِ جرم کر لو"۔۔۔ جھوٹے اور سچے آدمی کا چہرہ ہر تجربہ کار تھانیدار پہچان لیتا ہے۔ مجھے کچھ زیادہ ہی مہارت تھی۔ مجھے شک ہونے لگا تھا کہ اس شخص نے سریش کو قتل نہیں کیا۔ میں نے اُس روز مخبروں سے رپورٹیں لیں۔ کوئی سراغ نہ ملا۔

شام سے ذرا پہلے لاش اور پوسٹ مارٹم رپورٹ آ گئی۔ لکھا تھا کہ موت ڈوبنے سے واقع نہیں ہوئی۔ گلا دبا کر ہلاک کیا گیا ہے اور موت تقریباً بارہ دن پہلے واقع ہوئی ہے۔ یہ تو میں نے بھی یقین کر لیا تھا کہ یہ ہندو کی لاش ہے مسلمان کی نہیں۔ میں نے لاش کا چہرہ عبدالرحیم کو دکھایا اور پوچھا کہ یہ سریش کی لاش ہے یا کسی اور کی ہے۔ اُس نے چہرہ غور سے دیکھ کر کہا کہ چہرہ بہت بگڑا ہُوا ہے۔ وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُسے یہی کہنا تھا کہ یہ لاش سریش کی نہیں۔

میں نے لاش وارثوں کے حوالے کر دی۔ انہوں نے رات کو ہی لاش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گلی رات بھی عبدالرحیم کو میں نے تفتیش کی چکی میں خوب پیسا۔ اس سے اگلے دن میں عبدالرحیم کے گھر چلا گیا، اور اُس کی بیوی سے ملا۔ رو رو کر اُس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ زرینہ نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا تھا، اُس نے تصدیق کی اور یہ بھی بتا دیا کہ سریش نے اُسے کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ بیوی نے عبدالرحیم کو بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ اُس کی بدکاری کی وجہ سے ایک ہندو نے اُسے اتنی زیادہ توہین آمیز بات کہی ہے۔ اس پر میاں بیوی کی لڑائی ہوتی تھی۔

میں سریش کے گھر گیا۔ اُس کی بیوی اپنے گھر جا چکی تھی۔ میں وہاں چلا گیا اور اس لڑکی سے ملا۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے اس سے وہ بات پوچھی جو زرینہ نے اس کے متعلق بتائی تھی۔ اُس نے کہا کہ یہ ایسے ہی ہوا تھا۔ زرینہ اُس کی سہیلی بن گئی تھی لیکن وہ دھوکے میں آنے سے پہلے ہی بھانپ گئی۔

میں نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس کا چال چلن کیسا ہے اور اُس کا کسی غیر مرد کے ساتھ در پردہ دوستانہ ہوگا، اُس سے بہت پوچھ گچھ کی۔ اُس نے تسلیم کیا کہ اُسے سریش اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں کیا معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

"یہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ کوئی بیوی اپنے خاوند کو ناپسند کرے تو وہ کسی اور کو پسند کرتی ہوگی" — اُس نے کہا — "آپ میرے متعلق مجھ سے نہ پوچھیں، دوسروں سے پوچھیں۔ اُوشا میری دشمن ہے۔ آپ اس سے پوچھ لیں کہ میرا چال چلن کیسا ہے۔"

ایک گھوڑا — پُراسرار سوار

مزید چار پانچ دن گزر گئے۔ میں شکست محسوس کرنے لگا۔ ایک ہفتے سے عبدالرحیم میرے پاس تھانے میں تھا۔ وہ مجھے بے گناہ دکھائی دینے لگا۔ آخر تھک ہار کر میں نے عبدالرحیم کو گھر جانے کی اجازت دے دی لیکن اُسے بتا

دیا کہ وہ مشتبہ ہے اور گھر سے غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ اُس کے پیچھے دو مخبر لگا دیئے۔

اس سے دو روز بعد کا واقعہ ہے۔ دن کا ایک بج چکا تھا۔ رپورٹ آئی کہ عبدالرحیم قتل ہو گیا ہے اور لاش باغ میں پڑی ہے۔ رپورٹ لکھوانے والوں میں ایک اُس کا چچا تھا، ایک ماموں اور دو نوں مزارعے اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اُس طرف سے باغ میں عبدالرحیم کے مکان میں داخل ہوا جدھر سے راستہ نہیں تھا۔ پودوں اور جھاڑیوں کی باڑ تھی۔ اس کا سر اور چہرہ پگڑی میں لپٹا ہوا تھا۔ انہیں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ وہی آدمی دوڑتا ہوا باڑ سے نکل گیا اور گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ مزارعوں کو شک ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ اُدھر گئے۔ دیکھا کہ عبدالرحیم دروازے میں پیٹ کے بل پڑا ہے اور خون ہی خون تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے لاش کو ہاتھ نہیں لگایا اور میرے پاس آ گئے۔

وہ گھوڑوں کا زمانہ تھا۔ قاتل بھی گھوڑے پر آیا تھا اور نکل گیا۔ میں اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور جائے واردات پر پہنچا۔ میرے سٹاف کے ساتھ کھوجی بھی آ گیا۔ جس طرف سے قاتل آیا تھا، اُدھر کھُرے بڑے صاف تھے۔ کھوجی کو میں نے اُدھر بھیج دیا۔ لاش سیدھی کی۔ پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ انتڑیاں وغیرہ باہر آ گئی تھیں۔ لمبے چاقو یا خنجر کے دو گہرے زخم سینے پر تھے۔ میں نے وہاں جو کارروائی کرنی تھی مکمل کی اور لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی۔

جن مزارعوں نے قاتل کو دیکھا تھا، اُن سے کرید کرید کر پوچھا کہ اُس کا قد بت کیسا تھا اور کپڑے وغیرہ کیسے تھے۔ انہوں نے قد درمیانہ اور جسم گٹھا ہوا بتایا۔ چہرہ پگڑی میں چھپا ہوا تھا اس لئے وہ نہ دیکھ سکے۔ اُس نے شلوار اور کرتہ پہن رکھا تھا۔ یہ حلیہ میرے کام نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے وہ راستہ دیکھا جدھر سے قاتل گیا تھا۔ ندی قریب ہی تھی اور گہرائی میں سے گزرتی تھی۔

مجھے امید تھی کہ اُسے کسی نے اُدھر جاتے دیکھا ہوگا۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور باغ میں سے نکلنے لگا تو دیکھا کہ کچھ راہ جاتے لوگ بھی وہاں رُک گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ اُس نے ایک گھوڑ سوار کو باغ کی طرف سے ندی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ سوار نے سر اور چہرے پہ پگڑی لپیٹ رکھی تھی۔ گھوڑا گہرے بادامی رنگ کا تھا اور اُس کی اگلی دونوں ٹانگوں کے درمیان بہت بڑا سفید داغ تھا جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں، وہ گھوڑوں کا زمانہ تھا۔ لوگ گھوڑوں کے حلیے پوری تفصیل سے بیان کیا کرتے تھے۔

میں اور آگے چلا گیا۔ ندی میں پانی بہت تھوڑا تھا۔ دو آدمی گھوڑوں پر ندی میں سے آ رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ بادامی رنگ کا ایک گھوڑا جس کی اگلی ٹانگوں کے درمیان کھال سفید تھی اور اس پر سوار چہرہ پگڑی میں چھپائے ہوئے تھا، انہوں نے دیکھا ہو گا۔ انہوں نے دیکھا تھا اور جہاں انہوں نے دیکھا تھا، وہ جگہ کم و بیش بارہ تیرہ میل دور تھا۔ ان آدمیوں میں سے ایک نے کہا کہ اُسے شک ہوا تھا کہ اس سوار کے کپڑوں پہ لال داغ دھبے تھے۔

اگر قاتل اتنی دور نکل گیا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہت دُور سے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مقتول بدکار آدمی تھا اور کسی نے اسی سلسلے میں اُسے قتل کر دیا ہے۔ زرینہ میری راہنمائی کر سکتی تھی۔ اگر قاتل دُور سے آیا تھا تو وہ کرائے کا قاتل ہو گا۔ دشمنی شہر میں ہی ہو گی۔

میرا آگے جانا بیکار تھا۔

کسی ایسی عورت کو جانتی ہو؟

میں باغ میں چلا گیا اور زرینہ کو الگ کر کے کہا کہ میں اُسے تھانے نہیں لے جانا چاہتا کیوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ وہ مجھے یہیں وہ باتیں بتا دے جو اُس نے ابھی تک نہیں بتائیں۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ اب کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں نہ کوئی فائدہ ہے۔ اُس کا چوہدری مر چکا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُوشا کے علاوہ عبدالرحیم کے تعلقات اور کس عورت کے ساتھ تھے۔

"وہ پرانی باتیں ہیں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "چوہدری ایسا بھی نہیں تھا کہ عورتوں کے پیچھے ہی بھاگتا رہتا۔ ایک عورت کے ساتھ دوستی رکھتا تھا۔ آپ

کو بتا چکی ہوں کہ اُس نے میری شادی اس نیم پاگل آدمی کے ساتھ کرا کے ہمیں باغ میں جو مکان دیا تھا، یہ سب کچھ اُس نے میری خاطر کیا تھا۔ پھر اُسے اُوشا مل گئی۔ اس دوران اس نے میرے ساتھ تعلقات اس لئے سنبھالے کہ میں اُس کے ساتھ رہتی تھی۔ اُوشا سے پہلے اس کا تعلق ایک ہندو لڑکی کے ساتھ تھا۔ وہ اب تین بچوں کی ماں ہے۔ چوہدری نے میرے ہاتھوں سریش کی بیوی کو جال میں لانے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں ہوئی"۔

میں نے زرینہ سے مزید پوچھ گچھ کی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کچھ بھی نہیں چھپا رہی۔ مجھے قتل کا باعث معلوم کرنا تھا اور میری نگاہ میں باعث مقتول کا بُرا چال چلن تھا۔ سریش خود قتل ہو چکا تھا۔ وہ زندہ ہوتا تو میں اُس پر شک کرتا۔ ایک خیال یہ بھی آتا تھا کہ اُوشا کا باپ تو اُسے مقتول سے ملنے سے نہ روک سکا، سرکردہ ہندوؤں کی غیرت جوش میں آگئی ہو گی اور انہوں نے کرائے کے قاتل سے عبدالرحیم کو مروا دیا۔

مقتول کی بیوی باغ والے مکان کے باہر بیٹھی بین کر رہی تھی۔ اُسے عورتیں کہتی رہی تھیں کہ وہ گھر چلے لیکن وہ گھر نہیں گئی تھی۔ میں نے اُسے تسلی دلاسہ دیا اور کہا کہ وہ اب اپنے خاوند کے قاتل سے انتقام لینے کی سوچے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں جو پوچھتا ہوں وہ صحیح صحیح بتا دے تاکہ میں قاتل کو پکڑوں اور اُسے پھانسی کے تختے پر کھڑا کروں۔

اُسے میں ایک طرف لے گیا اور کہا ۔۔۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ اُس کے خاوند کے تعلقات کس کس کے ساتھ تھے۔ ایک تو وہ ہندو عورت ہے جس کا نام اُوشا ہے۔ اس کے علاوہ کون ہے؟"

"دوسری اُس نے باغ میں رکھی ہوئی ہے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "اُس کی بیوی تو یہی ہے ..... زرو..... پکی بدمعاش عورت ہے"۔

"وہ بھی میں جانتا ہوں"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "یہ تو بے غیرت عورت ہے اور اُس کا خاوند دماغ سے عاری ہے۔ اُسے تو اپنی ہوش نہیں۔ مجھے یہ شک ہے کہ عبدالرحیم نے کسی غیرت مند بھائی کی بہن یا کسی غیرت مند خاوند کی بیوی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر ہاتھ ڈالا تھا اور مارا گیا ہے۔ کیا تم کسی ایسی عورت کو جانتی ہو؟ اڑتے اڑتے بات بیوی تک پہنچ ہی جاتی ہے۔"

"نہیں"۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ "میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی۔ مجھ تک کوئی ایسی بات نہیں پہنچی۔"

"کوئی اور دشمنی؟"۔۔۔ میں نے پوچھا ۔۔۔ "رشتہ داروں کے ساتھ جائیداد کا جھگڑا یا کوئی اور ایسی وجہ جس نے تمہارے خاوند کو قتل کرا دیا ہے؟"

"جائیداد کا جھگڑا تو ہے"۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ "لیکن ایسا نہیں کہ قتل تک نوبت آجاتے۔"

میں نے اس جھگڑے کی تفصیل پوچھ لی۔ ان آدمیوں کے نام بھی نوٹ کر لیے جن کے ساتھ جھگڑا تھا۔ مجھے اچانک ایک اور خیال آگیا۔ میں نے مقتول کی بیوی سے پوچھا کہ وہ ان چند دنوں میں کہیں باہر تو نہیں گیا تھا؟

اس نے ایک گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں گیا تھا اور تیسرے روز واپس آیا تھا۔ جس روز سریش کی لاش برآمد ہوئی تھی، اس سے ایک روز پہلے وہ واپس آیا تھا۔ یہ خیال مجھے اس لئے آیا تھا کہ ایسے چال چلن کے لوگ جہاں بھی جاتے ہیں، نظر عورتوں پر رکھتے ہیں۔ ممکن ہے وہ جس گاؤں میں گیا تھا، وہاں کسی عورت پر دست درازی کر بیٹھا ہو اور اس عورت کے بھائی یا خاوند نے یہاں آکر اسے قتل کرنا بہتر سمجھا ہو۔

اور وہ اغوا ہوگئی

تھانے میں کچھ اور چھوٹے موٹے کیس بھی تھے لیکن یکے بعد دیگرے قتل کی دو وارداتوں نے مجھے چکرا دیا۔ ایک تو لڑائی جھگڑے کے قتل ہوتے ہیں جن میں سراغرسانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قاتل سامنے موجود ہوتے ہیں۔ صرف مقدمہ قائم کرنا ہوتا ہے۔ شہادت اور ثبوت فراہم ہو ہی جاتے ہیں۔ مشکل یہ قتل پیدا کرتے ہیں جو چوری چھپے کئے جاتے ہیں۔ قاتل کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ ایسے قتل

کا پس منظر اور باعث معلوم کرنا پڑتا ہے۔ اس میں کامیابی ہو جائے تو سراغرسانی ذرا آسان ہو جاتی ہے۔

عبدالرحیم کا قتل انتقامی کارروائی معلوم ہوتی تھی اور اس کا تعلق اس کے چال چلن کے ساتھ تھا، اس لئے میں اسی پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں کسی کی عزت اور حیثیت کا خیال نہیں رکھوں گا۔ کوئی مسلمان ہو یا ہندو، مرد ہو یا عورت، ہر کسی کو تھانے بلا کر بٹھالوں گا۔ یہ میری عادت بن گئی تھی کہ میں شریف گھرانے کی کسی عورت کو تھانے نہیں بلایا کرتا تھا۔ خود اس کے گھر چلا جاتا تھا۔

میں نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا کہ مقتول کے گھر سے اور ہمراز دوست کون کون ہیں۔ وہ دو تھے۔ انہیں تھانے بلا لیا۔ اوشا کو اور اس کے ماں باپ کو بھی بلا لیا۔ پہلے اس کے ایک ایک دوست کو بلایا۔ پہلے ہی دوست نے بتایا کہ مقتول اس گاؤں کسی کام سے گیا تھا۔ واپس آکر اس نے سنایا تھا کہ اس نے ایک بڑی خوبصورت عورت کے ساتھ محبت کی بات چیت کر لی لیکن اس کے خاوند کو پتہ چل گیا۔ اس نے اپنی بیوی کے دو بھائیوں کو بتا دیا۔ مقتول ان بھائیوں کے ہی گھر گیا تھا۔ اسے اس عورت نے اشارے سے یا موقع پیدا کر کے خبردار کر دیا کہ وہ رات یہاں نہ ٹھہرے۔ چنانچہ رات کو وہ چوری چھپے بھاگ آیا۔

اس سے اگلے روز سریش کی لاش برآمد ہوگئی اور میں مقتول کو تھانے لے آیا۔ اسے تھانے سے پانچ چھ روز بعد فارغ کیا تو وہ قتل ہو گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ قاتل اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا۔ جونہی اسے موقع ملا وہ وار کر گیا۔ دو آدمیوں نے گھوڑ سوار کو قصبے سے بارہ تیرہ میل دور جہاں دیکھا تھا، وہ جگہ اس گاؤں کے قریب تھی جہاں مقتول گیا تھا۔ میں نے اسی وقت اپنے ایس۔ اے۔ آئی کو ان ہدایات کے ساتھ اس گاؤں روانہ کر دیا کہ وہ اس گھر میں گھسے بادامی رنگ کی گھوڑی دیکھے۔ گھر کی تلاشی لے کر چاقو یا خنجر اور خون آلود کپڑے برآمد کرے اور جس پر شک ہو اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ میں نے اسے ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چھ کانسٹیبلوں کی مسلح گارد دے دی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات کو بھی میں نے پوچھ گچھ جاری رکھی۔ آدھی رات گزر رہی تھی کہ تھانے میں ایک اور مصیبت آ گئی۔ سریش کا سُسر، سُسر کا جوان بیٹا، ان کے محلے کے دو معزز آدمی اور چوکیدار آئے۔ سب پر خوف طاری تھا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ سریش کی بیوی اغوا ہو گئی ہے۔ اغوا اس طرح ہوئی کہ لڑکی سریش کے قتل کے بعد اپنے ماں باپ کے گھر میں تھی۔ رات اُس کا باپ اور بھائی برآمدے میں اور اُس کی ماں اور وہ صحن میں سوئی ہوئی تھیں۔ انہیں کسی نے جگایا۔ ان کے سر پر دو آدمی برچھیاں تانے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کسی نے اونچی آواز نکالی تو وہ قتل ہو جائے گا۔ ایک آدمی صحن میں تھا۔ سریش کی ساس نے بتایا کہ صحن والے آدمی نے لڑکی کے مُنہ پر کپڑا باندھ دیا اور اُسے کندھے پر ڈال کر باہر نکل گیا۔ دوسرے دو آدمی یہ کہہ کر باہر نکلے کہ ہمارے چلے جانے تک کوئی نہ بولے ورنہ قتل ہو جاؤ گے۔

چوکیدار نے بتایا کہ چار آدمی گھوڑوں پر سوار آئے اور ایک نے گھوڑے سے اُتر کر خنجر اُس کے سینے پر رکھ دیا اور بولا ــــ "آواز نہ نکالنا" ــــ چوکیدار مجبور ہو کر کھڑا رہا۔ تین سوار چلے گئے وہ واپس آئے تو انہوں نے لڑکی کو اٹھا رکھا تھا۔

میں جانے واردات پر گیا۔ یہ بڑی ہی دلیرانہ واردات تھی، اور یہ پیشہ وروں کی واردات معلوم ہوتی تھی۔ انہوں نے صحن کی دیوار پھلانگی تھی اور اندر سے دروازہ کھول کر باہر نکلے تھے۔ ان کے گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ سوار ہوئے اور گئے ــــ اور میرے لئے یہ سوال چھوڑ گئے کہ سریش کی بیوی کو کیوں اغوا کیا گیا؟ اور یہ بھی کہ اتنی سنگین وارداتوں کا اکھاڑہ میرا ہی تھانہ کیوں بن گیا ہے؟

مقتول کی بدرُوح نے خون کر دیا

رات اس نئی واردات کی ابتدائی کارروائیوں میں گزر گئی۔ دن طلوع

ہُوا تو اے۔ ایس۔ آئی چار آدمیوں کو ساتھ لے کر گاؤں سے واپس آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ گاؤں میں گھوڑے اور گھوڑیاں تو بہت ہیں لیکن ایک بھی ایسی نہیں جس کی اگلی ٹانگوں کے درمیان کھال سفید ہو۔ میں نے ان چاروں کو کھوجی کے حوالے کر دیا کہ ان کے کھُرے دیکھے اور اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ عبدالرحیم اور سریش کے قتل کے کیس وہ سنبھال لے۔ سریش کی بیوی بلکہ بیوہ کا اغوا ذرا پیچیدہ تھا۔ میں نے اس پر توجہ مرکوز کر لی۔

میں بڑے ہی مشکل حالات میں اور اس سے زیادہ پیچیدہ کیسوں میں بھی کبھی گھبرایا نہیں تھا، لیکن ان وارداتوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ سریش کے قتل کے متعلق تو میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اوپر والوں کو رپورٹ دے کر عدم پتہ قرار دے دوں گا۔ یوں سمجھئے کہ میں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے یہ میرے لئے بہت بڑی شکست تھی۔

میں جوانی میں بھی خدا کو ہر حال میں یاد کرنے والا آدمی تھا جب کبھی کوئی مشکل آ پڑی، میں نے اللہ سے مدد مانگی، اور مدد مل گئی۔ اب بھی اللہ نے میری مدد معجزے کی طرح کی۔ یوں لگتا تھا جیسے میں تھیٹر کے سٹیج پر ڈرامہ دیکھ رہا ہوں جس کے سین ختم ہونے میں نہیں آتے اور سمجھ ہی نہیں آتی کہ اس ڈرامے کا انجام کیا ہو گا مگر ایک سین ایسا آ گیا کہ اچانک ڈرامہ ختم ہو گیا اور خیال آیا کہ آخری سین یہی ہونا چاہیئے تھا۔ میں بھی پریشان ہو رہا تھا کہ ایسی سنگین وارداتوں کے اس ڈرامے کا انجام کیا ہو گا۔ میں دن بھر تفتیش میں مصروف رہا۔ شام ہوئی، رات آئی، میں تفتیش میں الجھا رہا۔ انگریزوں کا دورِ حکومت تھا جو کوتاہی برداشت نہیں کیا کرتے تھے۔

میں اس قدر تھک گیا تھا کہ کانسٹیبلوں کی بارک میں جا کر ایک چارپائی پر گر پڑا اور میری آنکھ لگ گئی مگر ایک اور بم پھٹا۔ برآمدے میں شور سنائی دیا۔ ایک کانسٹیبل نے مجھے کہا کہ تین چار ہندو آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سریش کی بدرُوح نے آ کر خون کر دیا ہے

میں دوڑتا باہر نکلا۔ برآمدے میں چار ہندو اور دو مسلمان کھڑے تھے۔ انہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے بتایا کہ وہ سریش کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ اس کے گھر انہیں عورتوں کی چیخیں سنائی دیں اور سریش کا باپ "بھوت بھوت" چلّاتے جا رہا تھا۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ یہ چھ آدمی اندر چلے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اُوشا صحن میں خون میں لت پت پڑی تھی۔ اُس کی ماں اور اُس کا باپ ہاتھ جوڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ اتنے میں کمرے میں سے سریش نکلا۔

"وہ بلاشک وشبہ سریش تھا جس کی لاش ندی سے برآمد ہوئی تھی"—— ایک مسلمان نے کہا —"وہ ایک سوٹ کیس اٹھائے ہوئے کمرے سے نکلا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ برآمدے میں جلتی ہوئی لالٹین لٹک رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی اُس کے منہ پر ڈالی۔ وہ واقعی سریش تھا۔ اُس نے کہا کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ، سب مارے جاؤ گے۔"

چار ہندو جوان دو مسلمانوں کے ساتھ آئے تھے اتنے ڈرے کہ انہوں نے بھی ہاتھ جوڑ کر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسرے مسلمان کے ہاتھ میں موٹا ڈنڈا تھا۔ اُس نے سریش سے کہا کہ تم سریش کا بھوت (بدروح) ہو تو وہیں غائب ہو جاؤ جہاں کھڑے ہو۔ سریش نے انہیں پھر ڈرایا اور فوراً بعد سوٹ کیس پھینک کر ٹارچ والے مسلمان پر حملہ کر دیا۔ دوسرے مسلمان نے جس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، ڈنڈے کا ایسا وار کیا کہ سریش کے خنجر والے ہاتھ پر پڑا۔ اُس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔ ٹارچ پرانے زمانے کی بڑی لمبی اور موٹی ٹارچ تھی۔ اس مسلمان نے ٹارچ سریش کے سر پر ماری، پھر ان دونوں نے اُسے ڈنڈے اور ٹارچ سے اتنا پیٹا کہ وہ گر پڑا۔

خنجر اٹھانے کا کسی کو خیال نہ رہا۔ سریش کا ہاتھ خنجر تک پہنچ گیا۔ اُس نے خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ وہ پیٹ کے بل پڑا تھا۔ اُس نے اُٹھنے کی بجائے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ اتنے میں اُس کا وہ پڑوسی دوست آ گیا جس نے سریش اور اُس کی بہن اُوشا کے متعلق مجھے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ اُس نے دونوں مسلمانوں سے مل کر سریش کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ اُس کا دوست اُس کا خون روکنے کے لئے اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ باقی سب تھانے کو دوڑے آئے۔

مجھے شک ہونے لگا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ان سب کو باری

باری دیکھا۔ وہ سب ہوش میں معلوم ہوتے تھے۔ میرے ہوش ٹھکانے آتے تو میں نے سب سے پہلے انہیں بُرا بھلا کہا کہ وہ اُسے اٹھا کیوں نہ لائے۔ اُسے ہسپتال لے جاتے اور نزعی بیان لے لیتے۔ اب تک وہ مر چکا ہو گا۔

میں اتنا تیز کبھی نہیں دوڑا تھا۔ سریش کے گھر پہنچا۔ وہ زندہ تھا۔ اُسے چارپائی پر ڈالا۔ اُس کے باپ اور ماں کو ساتھ لیا اور بھاگم بھاگ اُسے ہسپتال پہنچایا اور ڈاکٹر کو جگایا۔ ڈاکٹر نے اُس کا نزعی بیان قلمبند کیا۔ سریش نے ہانپتی ہوئی کربناک آواز میں بات یہاں سے شروع کی:

"چوہدری عبدالرحیم کو میں نے قتل کیا ہے۔ اپنی بیوی کو میں نے اغوا کیا ہے اور اپنی بہن اُوشا کو میں نے قتل کیا ہے ... میں شکورے کے پاس چلا گیا تھا اور اُسے کہا تھا کہ میں تمہیں خوبصورت اور نوجوان لڑکی دوں گا۔ اس کے عوض میرے تین کام کر دو۔"

یہ تین کام تھے عبدالرحیم اور اپنی بہن کا قتل اور اپنے سسرال گھر میں ڈاکہ۔ اس کے بعد اُسے شکورے کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ شکورا اس علاقے کا مشہور ڈاکو تھا اور اشتہاری ملزم۔

اپنی بہن نواب کو پیش کرے

خنجر جو سریش نے اپنے سینے میں مار لیا تھا وہ پھیپھڑوں میں زیادہ نہیں اُترا تھا۔ اُس کی فوری موت کا امکان بہت ہی کم تھا۔ اُس کے سر اور پیٹھ پر دونوں مسلمانوں کے ڈنڈے اور ٹارچ کی چوٹیں تھیں۔ ان چوٹوں نے اُسے نیم بے ہوش کر دیا تھا، اس لئے وہ اپنے سینے میں خنجر پوری طاقت سے نہیں مار سکا تھا۔ وہ بیان دینے کے قابل تھا مگر مرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ وہ اُس کا سینے کا چھوٹا سا اپریشن کر کے پھیپھڑے کے زخم کو ٹھیک کر دے گا لیکن سریش نہیں مان رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ ڈاکٹر اُسے مرنے نہیں دے گا۔

"آپ لوگ مجھے پھانسی دینے کے لئے زندہ رکھنا چاہتے ہیں"— اُس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا ــــ "میں انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے مرنے دیں اور مرنے سے پہلے میری ساری بات سُن لیں تاکہ آپ کے اور کسی کے دل میں کوئی شک نہ رہے۔"

ڈاکٹر کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اُس کا خون بہتا رہے اور ہم اُس کا بیان لکھتے رہیں۔ وہ اقبالِ جرم تو کر ہی چکا تھا اور یہ بھی بتا چکا تھا کہ وہ شکور سے ڈاکو کے پاس چلا گیا تھا۔ اب مجھے تفصیلات قلمبند کرنی تھیں۔ وہ پھیپھڑے کے زخم کو ہاتھ نہیں لگانے دے رہا تھا۔ اُس زمانے میں بے ہوشی کے انجکشن نہیں تھے۔ کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کی ناک کے ساتھ شیشی لگانے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُٹھ کر چلا گیا۔ واپس آیا تو اُس نے ایک کپڑا سریش کی ناک پر رکھ دیا۔ اس میں بے ہوشی والی دوا تھی۔ سریش ذرا سا تڑپا اور بے ہوش ہو گیا۔

وہ اپریشن ٹیبل پر پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کے سینے کو تھوڑا سا چیر دیا اور پھیپھڑا دیکھا۔ میں باہر نکل گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ڈاکٹر نے باہر آ کر مجھے بتایا کہ زخم خطرناک ہے لیکن بچنے کی امید خاصی ہے۔

میں نے باقی رات وہیں ایک بنچ پر لیٹ کر گزار دی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا جب سریش ہوش میں آیا اور مجھے اطلاع دی گئی۔ اُس کے سر پر بھی پٹیاں باندھ دی گئی تھیں۔ ٹارچ کی ضربوں سے دو تین جگہوں سے سر کی کھال پھٹ گئی تھی۔ سریش کو ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا اور اُس پر دو کانسٹیبلوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ میں نے اُس کے ساتھ شفقت سے باتیں کیں۔ دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُسے اپنے ہاتھ سے دودھ پلایا۔ کچھ دیر بعد وہ مجھے ساری بات سنانے کے لئے تیار ہو گیا۔

پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ شکورا ڈاکو کون تھا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں، خصوصاً وسطی ہند میں کئی ایک ڈاکوؤں نے تاریخی شہرت حاصل کی تھی۔ کسی وقت یہ ڈاکو ٹھگ کہلاتے تھے۔ مغلوں نے اُن کی سرکوبی کے لئے بہت کچھ کیا تھا لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی۔ انگریزوں نے آ کر ان کے خلاف فوج استعمال کی اور پولیس کے الگ سکواڈ بنا دیئے جو صرف ڈاکوؤں سے نبرد آزما

ہوتے تھے۔ ٹھگ (رہزنی) اور ڈاکہ زنی باقاعدہ پیشہ بن گیا تھا۔ انگریزوں کی مسلسل انسداد کی اور ہر طرح کی بڑی ہی سخت کارروائیوں سے ڈاکو اور رہزن شہروں سے دور ہٹتے ہٹتے دشوار گزار جنگلوں اور پہاڑی علاقوں میں چلے گئے۔ کچھ پکڑے گئے اور بعض نے یہ پیشہ ترک کر دیا مگر یہ پیشہ ختم نہ ہو سکا۔ پیشہ ور ڈاکوؤں کی کچھ تعداد موجود رہی جو ہندوستان میں آج بھی پائی جاتی ہے۔ راجستھان کے علاقے میں چند ایک عورتیں ڈاکہ زن گروہوں کی سربراہ ہیں۔

چونکہ یہ پیشہ قائم رہا اس لئے معاشرے کے ستائے ہوئے بعض افراد ڈاکوؤں کے پاس چلے گئے اور ڈاکو بن گئے۔ شکورا جس کا نام عبدالشکور تھا ایسا ہی ایک پیشہ ور ڈاکو تھا۔ میں جس وقت کا واقعہ سنا رہا ہوں، اُس وقت اُس کی عمر چالیس بیالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ میں نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ سنا تھا کہ وہ بڑا خوبصورت جوان ہے اور ہنس مکھ اتنا کہ کوئی اجنبی اُسے ڈاکو سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اُس دور کے ڈاکوؤں کی طرح وہ صرف انہیں لوٹتا تھا جن کے پاس سونے چاندی کے انبار ہوتے تھے۔ دیہات کے لوگوں میں وہ بہت مقبول تھا۔ وہ ہر کسی کے مسائل میں دلچسپی لیتا اور مصائب میں اُن کی مدد کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پکڑا نہیں جاتا تھا۔

وہ صرف ایک بار پکڑا گیا تھا اور اُسے آٹھ سال سزا سے قید ہوئی تھی۔ جیل میں اچھے چال چلن کی بدولت اُسے اتنی زیادہ معافی ملی تھی کہ وہ چھ سال اور ایک دو ماہ بعد رہا ہو کر آ گیا تھا۔ چند برسوں بعد وہ پھر پکڑا گیا۔ اُسے ریل گاڑی پر لے جایا جا رہا تھا۔ اُسے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ وہ دو ریلوے سٹیشنوں کے درمیان جنگل میں چلتی گاڑی سے کود گیا اور پھر ہاتھ نہ آیا۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اُس نے ہتھکڑی کہاں اور کس سے کھلوائی تھی۔

اُس کے متعلق سرکاری ریکارڈ میں یہ لکھا تھا کہ اس کا باپ وسطی ہند میں کسی نواب کا ذاتی محافظ تھا۔ انگریزوں نے کئی ایک مسلمان نوابوں کے وظیفے لگا رکھے تھے اور انہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنا رکھی تھیں۔ یہ نواب اور ہندو اور سکھ راجے مہاراجے اپنی رعایا کے فرعون ہوتے تھے۔ ان کی رعایا بھوکی ننگی رہتی اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ صحیح معنوں میں سونے چاندی میں کھیلتے تھے۔ شکورا ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اُس کی ایک ہی بہن تھی۔ بدقسمتی سے اُس کی بہن جب سترہ اٹھارہ برس کی ہوئی تو کہیں نواب صاحب کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ لڑکی خوبصورت تھی۔ نواب اپنے ملازموں کی بہو بیٹیوں کو اپنی ملکیت سمجھا کرتے تھے۔ اس نواب نے شکورے کے باپ سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو محل میں بھیج دے۔ اُسے ٹریننگ دے کر محل کی خاص کنیزوں میں شامل کیا جائے گا۔

باپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اُس وقت شکورے کی عمر بیس اکیس سال تھی۔ تیسرے چوتھے روز بہن نے شکورے کو بتایا کہ وہ محل میں نوکری نہیں کرے گی کیونکہ نواب صاحب کی نیت ٹھیک نہیں۔ شکورا نواب کو جانتا تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ محل کے سامنے میں ہی رہتا تھا۔ وہ ساری بات سمجھ گیا۔ اُس نے بہن کو محل میں جانے سے روک دیا۔ باپ نے شکورے سے کہا کہ نواب صاحب ناراض ہو جائیں گے لیکن شکورے کی غیرت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُس نے باپ کی ایک نہ سُنی۔

نواب کو پتہ چلا تو اُس نے شکورے کو دربار میں طلب کیا اور بہن کو محل میں نہ بھیجنے کی وجہ پوچھی۔ شکورا خود سر نوجوان تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ نواب صاحب اگر اس کی بہن کے ساتھ باقاعدہ شادی کرنا چاہیں تو بھی وہ نہیں مانے گا۔ وہ بہن کو کسی شریف گھرانے میں آباد کرے گا۔ نواب نے فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے اپنے دو خاص ملازموں سے پٹوایا اور حکم دیا کہ کل وہ خود اپنی بہن کو ساتھ لا کر نواب کے حضور میں پیش کرے۔

بہن نے ڈاکو بنا دیا

اُسی رات وہ اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر اپنی بہن کے ساتھ لاپتہ ہو گیا نواب نے اپنی ریاست کی خاک چھان ماری مگر شکورا نہ ملا۔ وہ کہیں دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے اپنی بہن کی شادی کسی شریف گھرانے میں کر دی اور خود ایک جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہو گیا۔ اُس نے پہلا جرم یہ کیا کہ اُن دو آدمیوں کو قتل کیا جنہوں

نے اُسے نواب کے حکم سے پیٹا تھا۔ وہ خود ان پڑھ تھا۔ اُس نے کسی ساتھی سے ایک کاغذ پر لکھوایا تھا کہ انہیں میں نے قتل کیا ہے۔ اگر نواب نے اُس کے ماں باپ کو پریشان کیا تو نواب بھی قتل ہو جائے گا۔ اس تحریر کے نیچے عبدالشکور کا نام لکھا تھا۔ یہ کاغذ دونوں لاشوں کے قریب پڑا ملا تھا۔

مخبروں کی اطلاعوں کے مطابق وہ ایک ڈاکو کا شاگرد بن گیا تھا جس نے اُسے بھی استادی ہاتھ سکھا دیئے تھے۔ تین چار سال بعد پکڑا گیا۔ آٹھ سال قید ہوئی۔ چھ سال بعد رہا ہو کر آ گیا۔ اُس وقت جیل میں دو تین پیشہ ور رہزن سزائے قید کاٹ رہے تھے۔ انہوں نے شکورے کو پختہ کار رہزن اور بڑا ہی خطرناک ڈاکو بنا دیا تھا۔ وہ غالباً ایک گروہ سے نکل کر دوسرے میں چلا گیا تھا۔ اس دوران وہ اس علاقے میں آ گیا جس میں میرا تھانہ تھا۔ اُس کا اُستاد مر گیا تو اس نے استاد کی جگہ سنبھال لی۔ وہ چار تھانوں کے علاقے میں وارداتیں کرتا تھا۔

میں جب اس تھانے میں آیا تو شکورا بہت مشہور ہو چکا تھا۔ پولیس کے لئے وہ مستقل دردِ سر تھا لیکن دیہاتی علاقوں میں اُس کا نام یوں لیا جاتا تھا جیسے وہ بڑی ہی نیک اور پارسا شخصیت ہو۔ وہ اب مفرور اور اشتہاری ملزم تھا اور قتل اور ڈاکے کی متعدد وارداتوں میں مطلوب تھا۔ اُس کی دو وارداتیں میرے تھانے کی تھیں۔ یہاں میں یہ بھی بتا دوں کہ وہ کوئی اتنا بڑا ڈاکو بھی نہ تھا کہ پولیس فورس اور حکومت کے لئے ٹیڑھا مسئلہ بنا ہوا ہو۔ یوں سمجھ لیں کہ درمیانے درجے کا ڈاکو تھا۔ اُسے چونکہ لوگوں کا تعاون اور ہمدردیاں حاصل تھیں اس لئے پکڑا نہیں جاتا تھا۔

اب سریش نے بتایا کہ وہ شکورے کے پاس چلا گیا تھا تو سب سے پہلا سوال میرے ذہن میں یہ پیدا ہوا کہ سریش اُس تک پہنچا کس طرح۔ سریش نے بڑی دلیری اور خود اعتمادی سے بیان دیا لیکن اس سوال کا جواب دینے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ شکورے تک کس طرح پہنچا تھا۔

"میں آپ کو یہ دو راز نہیں دوں گا کہ مجھے شکورے کے پاس کون لے گیا تھا اور یہ کہ شکورا کہاں ہے"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں نے یہ دونوں راز دل میں رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ میں ہمت ہے تو شکورے کو پکڑ لیں"۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے اُس پر زور نہ دیا کہ وہ ضرور بتاتے۔ میں نے یہ نوٹ کر لیا کہ اسے کوتی آدمی شکورے کے پاس لے گیا تھا۔ وہ جو کوتی بھی تھا، وہ شکورے کا خاص آدمی ہوگا جسے معلوم تھا کہ شکورا کہاں ہے۔ اس کے علاوہ وہ سریش کا بھی گہرا یار ہوگا۔ ڈاکو یا ان کے آدمی اتنے کچے تو نہیں ہوتے کہ جو کہے اُسے اپنے پاس بلا لیں مجھے معلوم کرنا تھا کہ وہ آدمی کون ہے۔ اس کی وساطت سے مجھے شکورے کو پکڑنا تھا۔ سریش کے انکار سے مجھے یہ اشارہ مل گیا کہ اسے کوتی آدمی لے گیا تھا۔

اپنی بہن کو زنجیر ڈالو

سریش کا بیان خاصہ طویل تھا۔ میں اختصار سے آپ کو سناؤں گا۔ وہ غیرت مند نوجوان تھا۔ جب سے اُس نے باہر نکل کر کھیلنا شروع کیا تھا، وہ مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔ بڑے ہو کر بھی اُس نے مسلمان نوجوانوں کے ساتھ دوستی رکھی۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ اُس کی فطرت میں وہ گھٹن پیدا ہی نہ ہوتی جو ہندوؤں میں ہوتی ہے۔ اُس میں ہندوؤں والی مکاری اور ریاکاری بھی پیدا نہ ہوتی۔ وہ چوری چھپے گوشت بھی کھا لیا کرتا تھا۔ اُسے بیوہ بہن کی بدچلنی نے پریشان کر رکھا تھا۔

اُس نے اپنے بیان میں بتایا کہ اُس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُس کی بہن جوان ہے، خوبصورت بھی ہے، اس کی شادی ہو سکتی ہے۔ باپ نے کان پر ہاتھ رکھ کر اُسے کہا کہ وہ ایسی بات کسی اور کے سامنے نہ کہے۔ بیوہ کی شادی کی بات کرنا پاپ ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ کوتی ہندو کسی بیوہ کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ یہ اس کے مذہب کی پابندی تھی۔ سریش کا ذہن اس پابندی کو قبول نہیں کر رہا تھا مگر اس کے سامنے راستہ بھی کوتی نہ تھا۔ اس کے دل میں ہندو مذہب کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ اُس نے سندر کے پنڈت کے ساتھ یہ بحث چھیڑ دی اور اپنے مذہب کے خلاف باتیں کیں۔ پنڈت نے اُسے ڈرایا دھمکایا اور مندر سے نکال دیا۔ اُس نے بات یہیں پر ختم نہ کی، بلکہ اُس کے باپ اور اس کے سُسر سے کہا کہ وہ سریش کو مسلمانوں کی دوستی سے روکیں، یہ گمراہ ہو گیا ہے۔ باپ اور سُسر

نے اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ اُسے خوب گالیاں دیں لیکن انہوں نے اس کی بہن اُوشا کو کچھ بھی نہ کہا۔ سریش اُوشا کی بات کرتا تو باپ اس پر ٹوٹ پڑتا۔

سریش نے تھک ہار کر اُوشا سے براہِ راست بات کی۔ اُسے کہا ”تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم بیوہ ہو گئی ہو۔ اس کی سزا ہمیں نہ دو۔ پنڈت مہاراج کہتے ہیں کہ اُوشا نے پچھلے جنم میں کوتی پاپ کیا تھا جس کی سزا اسے اس جنم میں یہ ملی کہ وہ بیوہ ہو گئی ہے۔ اب اس کا موجودہ جنم جلتے اور کڑھتے گزرے گا.... میری طرف دیکھو اُوشا! باہر لوگوں میں میری بڑی عزت ہے۔ میں کسی کو سر نہیں اٹھانے دیتا مگر تمہاری وجہ سے میرا سر نیچے ہو رہا ہے۔ لوگ مجھ پہ انگلیاں اٹھاتے ہیں۔“

بہن اس قدر جلی بیٹھی تھی کہ اُس نے سریش کو گالی گلوچ کی اور سارا گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اُس نے سریش کی بیوی کو بھی بُرا بھلا کہا کہ وہ سریش کو اُس کے خلاف بھڑکاتی ہے۔ ماں نے بھی اپنی بیٹی کا ساتھ دیا اور سریش کے ساتھ اُس کی بیوی کو بھی بُرا بھلا کہا۔ سریش کی بیوی نے جس کا نام شیاما تھا، اپنے ماں باپ کو بتایا کہ ایک تو ان کی بیٹی بدچلن ہے، دوسرے یہ لوگ اس کی حمایت کرتے اور شیاما کو گالیاں دیتے ہیں۔

شیاما کا باپ (سریش کا سسر) امیر کبیر آدمی تھا۔ اُس نے سریش کو اور اُس کے باپ کو اپنے گھر بلایا اور دونوں کی بے عزتی کی۔ جو مُنہ میں آیا کہا۔ اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ اُوشا شیاما سے کسی نہ کسی بات پہ لڑائی مول لے لیتی۔ شیاما اپنے ماں باپ کو جا بتاتی۔ اُس کا باپ سریش کو بلا کر اس کی بے عزتی کر دیتا۔ شیاما کو اپنی شکل و صورت پر اور اپنے باپ کی دولت پہ بہت ہی ناز تھا۔ وہ سریش کو بدصورت اور اپنے مقابلے میں غریب سمجھتی تھی۔ سریش کی بہن اُوشا کا شیاما کے ساتھ سلوک ایسا تھا کہ اُسے اس گھر سے ہی نفرت ہو گئی اور اُس نے سریش کو طعنے دینے شروع کر دیتے ”تم میرے خاوند نہیں میرے نوکر لگتے ہو.... اگر تمہارے پاس اپنی بدچلن بہن کو زہر دینے کے لئے پیسے نہیں تو میں تمہیں اپنے باپ سے پیسے لا دیتی ہوں۔“

کچھ وقت کے بعد سریش شیاما کا براتے نام خاوند رہ گیا۔ شیاما کا باپ اب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُسے "دوکوڑی کے بغیتے" کا بیٹا کہنے لگا۔ وہی سریش جو دلیر اور غیرت مند تھا، گھر میں ایسے رہنے لگا جیسے وہ زندہ ہی نہ ہو۔ اس کی زبان بند رہتی اور وہ کڑھتا رہتا۔ اُسے اس حال تک اُوشا نے پہنچایا تھا۔ آخر وہ تھک ہار کر ایک روز باغ کے مالک عبدالرحیم کے پاس چلا گیا اور اُسے کہا کہ وہ اُس کی بہن کو اپنے باغ میں نہ آنے دیا کرے۔ عبدالرحیم نے اُسے طنزیہ لہجے میں کہا ——"میں تمہاری بہن کو تمہارے گھر سے اُٹھا کر تو نہیں لایا کرتا۔ وہ خود آتی ہے۔ بدنامی سے بچنا چاہتے ہو تو اپنی بہن کو زنجیر ڈالو۔"

سریش جل اُٹھا۔ اُس نے عبدالرحیم کو قتل کی دھمکی دی۔ سریش نے مجھے بیان دیتے ہوتے کہا کہ اُس نے دھمکی تو دے دی لیکن اُس کی دھمکی میں کوئی جان نہیں تھی۔ اُس کی بہن نے اس کی مردانگی اور دلیری ختم کر دی تھی۔ وہ خالی اور بے جان دھمکیاں دے رہا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس نے جب دھمکی دی تو عبدالرحیم مسکرانے لگا۔ اُس کی مسکراہٹ نے مجھے آگ لگا دی۔ اُس کی مسکراہٹ میں فتح اور طنز تھی۔

سریش پختہ ذہن کا تو آدمی نہیں تھا، جوشیلا نوجوان تھا۔ وہ سب کچھ سمجھ بھی رہا تھا اور انتقامی کارروائی کرنے کی بھی سوچ رہا تھا۔ اُس نے عبدالرحیم کو ڈرانے کے لئے وہ دلیرانہ کارروائی کی جو میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ اُس نے اپنے ایک دوست کو ساتھ لیا اور زرینہ کو اغوا کر لیا، لیکن خوبصورت اور جوان عورت کے ساتھ اُس نے وہ سلوک نہ کیا جس کی زرینہ کو توقع تھی۔ اُس نے زرینہ سے کہا کہ اپنے چوہدری سے کہنا کہ میں اُس کی بیوی کو بھی اٹھا سکتا ہوں۔ سریش نے زرینہ کی اس حرکت کا انتقام لیا تھا کہ اُس نے اُس کی بیوی شیاما کو عبدالرحیم کے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

عبدالرحیم اور سریش کا ایک بار پھر آمنا سامنا ہوا۔ عبدالرحیم نے اُسے کہا کہ اُس نے ایک عورت کو اغوا کر کے مردوں والی حرکت نہیں کی۔ اس نے سریش کو ایسی باتیں کہیں جو ذرا سی بھی غیرت والا آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔

میں نے اُس سے پوچھا کہ زرینہ کے اغوا میں اس کا کون سا دوست اس کے ساتھ تھا۔ اُس نے بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ اُس نے کہا ——"میں اپنے کسی

دوست کو دھوکہ نہیں دوں گا۔"

میری ٹکر کسی مرد سے ہوگی

"میری حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی" —— سریش نے کہا ——"زرینہ نے میری بیوی کو پھانسنے کی کوشش کی تو بیوی نے مجھے بتا دیا۔ میں نے زرینہ سے انتقام لے کر اپنی بیوی کو بتا دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خوش ہو گی مگر اُس نے مجھے اس طرح کے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ تمہاری بہن نے تمہارے خاندان کو اتنا بدنام کر دیا ہے کہ لوگ مجھے بھی بدچلن سمجھنے لگے ہیں۔ تم اپنی بہن کو کوٹھے پر بٹھا دو۔"

سریش آرام آرام سے بول رہا تھا۔ مجھے اُس کی مظلومیت پر ترس آ رہا تھا۔ وہ اپنے مذہب اور معاشرے کا کچلا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ اُس کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی۔ ان حالات نے اس کے ذہن کو ابنارمل بنا دیا تھا۔ وہ انتقام سے بھر گیا تھا۔ اُس نے ایک اور طریقہ سوچا اور عمل کیا۔ اُسے یہ مشورہ دو مسلمان دوستوں نے دیا تھا۔ اُنہوں نے اُسے بتایا تھا کہ عبدالرحیم اور اُس کی بیوی کی آپس میں سخت چپقلش شروع ہو چکی ہے اور اُن کے گھر آتے دن لڑائی جھگڑا رہتا ہے جس کی ایک وجہ تو اُوشا ہے، دوسری زرینہ ہے اور عبدالرحیم کی دوسری بدکاریاں بھی ہیں۔ اُس نے باغ بدی کا اڈہ بنا رکھا تھا۔

سریش نے دوستوں کے مشورے پر یوں عمل کیا کہ ایک روز اُسے عبدالرحیم کی بیوی کھیتوں میں نظر آ گئی۔ وہ جوان اور اچھی شکل و صورت کی عورت تھی۔ سریش نے اُسے ایک اُونچی فصل کی اوٹ میں روک لیا اور اُس کے ساتھ ہمدردی کی باتیں شروع کر دیں۔ اسے کہا ——"میری بہن کی وجہ سے تمہارے گھر کا سکون تباہ ہو گیا ہے لیکن میں مجبور ہوں" —— اُس نے پوری تفصیل سے اُسے بتایا کہ گھر والے اُوشا کی حمایت میں اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ پھر اس نے عبدالرحیم کی سیاہ کاریوں کا ذکر چھیڑ دیا۔

میں تفصیل سے یہ باتیں نہیں سنا رہا۔ مختصر یہ کہ اس نے عبدالرحیم کی بیوی کے ساتھ ایسے انداز سے باتیں کیں کہ یہ عورت پسیج گئی۔ سریش نے اسے کہا کہ اب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ ایسے ہی تعلقات پیدا کر لو جیسے تمہارے خاوند نے میری بہن اور زرینہ کے ساتھ بنا رکھے ہیں۔ پھر تم اُسے کہنا کہ تم اپنی عیش کرو، میں اپنی عیش کر رہی ہوں۔ اُسے میرا نام بتا دینا۔ میں دیکھ لوں گا وہ میرا کیا بگاڑے گا۔

سرلیش نے مجھے بتایا کہ اُس نے اس عورت پر ایسا اثر پیدا کر لیا تھا کہ وہ سوچ میں پڑ گئی اور کہنے لگی کہ کل ادھر ہی آجانا، تمہیں جواب دوں گی۔ وہ چل پڑی تو سرلیش کو اچانک کچھ خیال آگیا۔ اُس نے اس عورت کو آواز دے کر روک لیا اور اُسے کہا ــــ "نہ آنا۔ میں تمہیں نہیں ملوں گا۔ تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ تم اپنی عزت کا خیال رکھو۔ میں کسی عورت کو اپنی بہن اور زرینہ جیسا نہیں بناؤں گا۔ میری ٹکر کسی مرد سے ہوگی۔"

اس سے میں نے یہ رائے قائم کی کہ سرلیش کا کردار مضبوط ہے مگر کم عمری کی وجہ سے ناتجربہ کار ہے۔

"میں نے اپنے اس دوست کے ساتھ بات کی جس کا شکورے کے ساتھ گہرا تعلق ہے" ــــ سرلیش نے کہا ــــ "اسے ساری بات سنائی اور یہ پہلا موقع تھا کہ میرے آنسو نکل آئے۔ میں نے اسے کہا کہ میں ایک ایک آدمی سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ جس جس نے مجھے جلایا ہے، میں اُسے قتل کروں گا۔"

"کس کس کو قتل کرنا تھا؟" ــــ میں نے پوچھا۔

"عبدالرحیم کو" ــــ اس نے جواب دیا ــــ "اپنی بہن کو، شیاما کو اور اپنے سُسر کے گھر ڈاکہ ڈالنا تھا اور اُسے قتل نہیں کرنا تھا بلکہ کندھوں سے اُس کے دونوں بازو کاٹنے تھے۔ مندر کی پنڈت کو بھی قتل کرنا تھا۔"

اُس نے قبیلے کے دو اور سرکردہ ہندوؤں کے نام بھی بتائے جنہیں قتل کرنا تھا۔ پھر اُس نے کہا ــــ "میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے شکورے تک پہنچا دو۔ میں ساری عمر اُسی کے ساتھ گزاروں گا لیکن وہ میرے یہ سارے کام کر دے۔ اپنے دشمنوں کو تو مجھے اپنے ہاتھوں ختم کرنا تھا۔ مجھے مدد اور پناہ کی ضرورت تھی جو کوئی پختہ کار ڈاکو ہی دے سکتا تھا۔"

"تمہیں شکورا کیوں اچھا لگا تھا؟"

"میں جس دوست کی بات کر رہا ہوں وہ مجھے شکورے کی باتیں سنایا کرتا تھا" ــــ اُس نے کہا ــــ "وہ کسی وقت پہلے شکورے کے ساتھ رہا تھا۔"

"وہ یہیں رہتا ہے؟"

سرلیش چونکا اور اُس نے کچھ دیر کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ مجھے اس طرح سیدھا سوال نہیں داغ دینا چاہیئے تھا۔ اُسے بات کرنے دیتا اور بے خیالی میں اپنے اس دوست کے متعلق کوئی ایسا اشارہ ضرور دے دیتا جس سے اُس کی نشان دہی ہو جاتی مگر میں نے سرلیش کو چوکنا کر دیا۔

بہنیں بھائیوں کی قربانی مانگتی ہیں

میں نے اُسے کہا کہ جانے دو اُسے، وہ جہاں کہیں بھی رہتا ہے مجھے اُس کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ سرلیش نے کہا کہ آپ اُس کے ساتھ دلچسپی نہ رکھیں کیونکہ وہ یہاں نہیں رہتا اور اب وہ وہاں سے بھی جا چکا ہے۔

"میں نے اُس کے سامنے شکورے کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تو یہ بھی کہا کہ میں اپنے گھر کا بھیدی ہوں اور میں اپنے سسرال کے گھر کا بھی بھیدی ہوں۔ میں دونوں گھروں میں ڈاکہ ڈالوں گا" ــــ اُس نے کہا ــــ "اور یہ مال شکورے کا ہوگا۔"

یہاں میں آپ کو بتا دوں کہ گھر کا بھیدی مل جائے تو ڈکیتی آسان ہو جاتی ہے۔ ڈاکو گھر بھیدیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر راہنمائی کرنے والا کوئی نہ ہو تو ڈاکوؤں کو کمروں میں گھوم پھر کر مال تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اتنے وقت میں گھر والے جاگ سکتے ہیں اور ڈاکوؤں کے پکڑے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہیں اکثر ناکام ہو کر بھاگنا پڑتا ہے۔ سرلیش نے شکورے کے لئے یہ کشش پیدا کر دی تھی۔

شکورے کے اس آدمی نے جس کے ساتھ سرلیش نے بات کی تھی، سرلیش سے کہا کہ شکورے نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اگر اُس کے لئے کوئی بڑی ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوبصورت لڑکی مل جائے تو وہ بہت خوش ہوگا اور اُسے جو کہو گے مان جائے گا۔

سریش کو فوراً اپنی بیوی کا خیال آیا۔ اُسے وہ قتل کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔ وہ خوبصورت بھی تھی، جوان بھی تھی اور سریش کے دل میں اس لڑکی کی نفرت بیٹھ گئی تھی۔ اُس نے سوچا کہ شیاما سے انتقام لینے کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ اسے ایک وحشی ڈاکو کے حوالے کر دو۔ اس سے ڈاکو خوش بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ سریش نے اس آدمی سے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو اغوا کر کے شکورے کے حوالے کر دے گا۔

ان میں معاملے ہو گیا اور ایک روز سریش اس آدمی کے ساتھ چلا گیا۔ شکورے کے متعلق سریش نے مجھے نہ بتایا کہ وہ کہاں ہے یا کہ وہ قصبے سے کتنی دور تھا۔ مختصر یہ کہ وہ شکورے کے پاس جا پہنچا اور اُس کے دوست نے شکورے کو سریش کے متعلق سب کچھ بتایا۔ یہ بھی بتایا کہ یہ دو گھروں کا گھر بھیدی ہے اور یہ ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی بھی لائے گا۔

"مجھے وہاں خیال آیا کہ زرینہ بھی شکورے کے کام کی چیز ہے" — سریش نے مجھے بیان دیتے ہوئے کہا — "میں نے شکورے سے کہا کہ میں اس لڑکی کو لاؤں گا۔ اس کے بعد ایک اور لاؤں گا.... میرے ذہن میں شکورے کی تصویر کچھ اور تھی۔ وحشی اور غصیلا آدمی جس کے چہرے پر ظلم اور بے رحمی ہو گی لیکن مجھے شک ہوا کہ میرا دوست دھوکے سے مجھے کسی اور کے پاس لے آیا ہے۔ اتنا پیارا آدمی ڈاکو نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے مجھے پیار سے اپنے پاس بٹھایا شفقت سے بات کی اور کہنے لگا — 'بہنیں اپنے بھائیوں کی قربانی مانگا کرتی ہیں۔ بھائی اچھے چال چلن کی بہنوں کی عزت پر قتل کرتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں، اور بدچلن بہنیں بھی بھائیوں کو قاتل بنا دیتی یا قتل کرا دیتی ہیں۔ مجھے قاتل اور ڈاکو بہن کی عزت نے بنایا ہے سریش بیٹے! لیکن وہ بڑی پاک بہن ہے۔ جب بھی اُسے ملنے جاتا ہوں، روتی اور کہتی ہے کہ شر لیفوں کی دنیا میں واپس آجاؤ۔ تمہاری بہن نے کچھ اور رنگ چڑھا لیا ہے۔ وہ تمہاری جان کی قربانی مانگتی ہے'....

"میں نے اُسے کہا کہ میں اپنی جان کی قربانی دینے سے پہلے تین چار جانوں کی

قربانی لوں گا جس میں میری بہن بھی شامل ہے۔ اُس نے میرے ساتھ بہت باتیں کیں۔ میں نے اُس کے ساتھ دل کی ساری باتیں کیں اور بتایا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔"

شکورے جیسے ڈاکو اور استاد جرائم پیشہ ایسے کچے تو نہیں ہوتے تھے کہ ایک نوجوان ان کے ساتھ جذباتی اور جوشیلی باتیں کرے اور وہ اس کی باتوں میں آجائیں۔ سریش نے مجھے جو بیان دیا، اس سے میں نے یہ رائے قائم کی کہ شکورا اور اس کا یہ آدمی سریش کو آزماتے رہے اور اس کی وفاداری کا امتحان لیتے رہے۔ اس میں دس بارہ دن گزر گئے۔ آخر یہ طے ہوا کہ سریش سب سے پہلے اکیلا جائے اور چوہدری عبدالرحیم کو قتل کر کے واپس آجائے۔ یہ جو آدمی اس کے ساتھ گیا تھا، اسے سریش کے ساتھ آنا تھا لیکن قتل میں شامل نہیں ہونا تھا۔

مردانگی وہیں ختم ہو گئی

سریش کو وہ گھوڑی دی گئی جس کا رنگ بادامی تھا اور اگلی ٹانگوں کے درمیان کھال سفید تھی۔ وہ رات کو قصبے میں آئے۔ یہ آدمی عبدالرحیم کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ بات سریش کے منہ سے نکل گئی جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ آدمی اسی قصبے کا رہنے والا ہے۔ اُس نے عبدالرحیم پر نظر رکھی۔ اُسے باغ میں قتل کرنا تھا۔ اُسی روز ندی سے وہ لاش برآمد ہو گئی جسے سریش کے ماں باپ اور سسر نے بھی سریش کی لاش کہہ دیا۔ صرف عبدالرحیم تھا جس نے لاش کا چہرہ دیکھ کر کہا تھا کہ لگتا سریش ہے لیکن شک ہے۔

لاش برآمد اور شناخت ہوئی تو میں نے عبدالرحیم کو مشتبہ بٹھا لیا۔ سریش کے ساتھی نے سریش کو بتایا کہ عبدالرحیم کو تھانے بٹھا لیا گیا ہے اور ایک لاش برآمد ہوئی ہے جسے سب نے سریش کی لاش کہہ دیا ہے۔ اس سے سریش بہت خوش ہوا۔ اس کے ساتھی نے بھی اسے کہا کہ اب اس کے پکڑے جانے کا خطرہ ختم ہو گیا ہے۔ اب کوئی یہ شک بھی نہیں کرے گا کہ سریش جہاں کہیں چلا گیا تھا وہاں سے آکر عبدالرحیم کو قتل کر گیا ہے، مگر عبدالرحیم تھانے میں تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میرے اس دوست نے مجھے اپنے گھر لے جا کر چھپا لیا۔ گھوڑی بھی چھپا لی اور اُس نے تھانے سے معلوم کر لیا کہ عبدالرحیم کو گرفتار نہیں کیا گیا، مشتبہ بٹھایا گیا ہے اور اس کے خلاف کوئی ثبوت اور شہادت نہیں"۔۔۔ سریش نے مجھے بتایا۔۔۔ "چار پانچ دنوں بعد پتہ چلا کہ عبدالرحیم گھر آگیا ہے۔ میرے اس دوست نے اُس پر نظر رکھی اور اگلے دن بتایا کہ عبدالرحیم باغ میں ہے۔ میں نے منہ سر پگڑی میں لپیٹا۔ خنجر سنبھالا اور باغ کے قریب جا کر گھوڑی سے اُترا، گھوڑی باہر چھوڑی اور میں پودوں وغیرہ کی باڑ میں سے گزر کر اندر چلا گیا۔ عبدالرحیم مکان سے باہر تھا۔ مجھے دیکھ کر حیران سا ہُوا کہ یہ کون ہے۔ میں نے قریب جا کر خنجر نکالا اور کہا۔۔۔ میں سریش ہوں چوہدری! تم نے کہا تھا مردوں کی طرح آنا۔ لو میں مردوں کی طرح آگیا ہوں"۔۔

"عبدالرحیم کی مردانگی وہیں ختم ہو گئی۔ اُس کی زبان ہکلانے لگی اور اُس نے ہنسنے کی بھی کوشش کی۔ مجھ سے بچنے کے لئے اُسے باغ کی طرف بھاگنا چاہیئے تھا جہاں اُس کے مزارعے تھے مگر وہ اندر کی طرف دوڑا۔ میں سمجھا کہ وہ بندوق، پستول یا کلہاڑی وغیرہ لانے کو دوڑا ہے۔ میں نے اُسے دہلیز سے آگے نہ جانے دیا۔ اس کے پیٹ اور سینے میں خنجر مارے۔ اُس کے منہ سے بڑی زور سے کچھ آوازیں نکلیں۔ میں جدھر سے اندر آگیا تھا، اُدھر سے باہر نکلا، گھوڑی پر سوار ہُوا اور نکل گیا۔ میرا دوست دُور کھڑا مجھے جاتا دیکھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ ہلایا۔ وہ اشارہ سمجھ گیا کہ میں کام کر چلا ہوں۔ وہ چلا گیا"۔

وہ شکورے کے پاس چلا گیا اور اُسے بتایا کہ اُس نے اس کام میں اتنے دن کیوں لگائے ہیں اور اُس نے قتل کس طرح کیا ہے۔ شکورا اس سے متاثر ہُوا۔ اس کی نگاہ میں سریش قابلِ اعتماد تھا اور اس میں وہ دلیری بھی تھی جو ڈاکوؤں میں ہونی چاہیئے۔

اپنی بیوی ڈاکو کو دے دی

سریش نے اس کے بعد مجھے بتایا کہ شکورے نے ایسا مطالبہ نہیں کیا تھا کہ سریش اپنی بیوی شیاما کو اغوا کر کے شکورے کے حوالے کر دے جیسا کہ سریش

نے شکورے کو پہلی ملاقات میں پیش کش کی تھی۔ سریش نے عبدالرحیم کے قتل کے بعد خود محسوس کیا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ شکورے کو وہ پیر و مرشد کی طرح ماننے لگا تھا۔ سریش نے یہ بھی مجھے کہا کہ شکورے کے ساتھ اس کے وعدے کے علاوہ وہ شیاما سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس کی بیوی نے اُسے عزت اور بدصورتی کے طعنے دیتے تھے اور اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔

اس نے شکورے سے کہا کہ وہ اب اپنی بیوی کو اغوا کرے گا۔ شکورے نے اُسے کہا کہ آباد گھر میں سے ایک لڑکی کو اٹھا لانا بڑا ہی مشکل اور خطرناک کام ہوتا ہے اور وہ یہ کام اکیلا جا کر نہیں کر سکتا۔ شکورے کو صرف یہ تسلی تھی کہ سریش اپنے سُسرال گھر کا بھیدی تھا۔ سریش نے اُسے کہا کہ وہ سُسر کے گھر ڈاکہ بھی ڈالے گا اور شیاما کو بھی اٹھا لائے گا۔ شکورے نے اسے بتایا کہ ایسی وارداتیں انتقام اور جوانی کے جوش سے نہیں، عقل سے اور ٹھنڈے دل سے کی جاتی ہیں۔

آخر فیصلہ ہُوا کہ سریش کے ساتھ تین آدمی جائیں گے اور صرف لڑکی کو اغوا کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے مطابق سریش اور تین تجربہ کار آدمی گھوڑوں پر آئے اور شیاما کو اٹھا کر لے گئے۔ یہ میں پہلے سنا چکا ہوں کہ شیاما کو کس طرح اغوا کیا گیا تھا۔ مختصراً پھر سن لیں۔ ایک سوار نے محلے کے چوکیدار کو خنجر کی نوک اُس کے سینے پر رکھ کر ایک جگہ کھڑا رکھا۔ باقی تین شیاما کے گھر گئے۔ ایک نے صحن کی دیوار پھلانگی اور دروازہ کھول دیا۔ دو آدمی شیاما کے ماں، باپ اور بھائی کے سر پر برچھیاں تانے کھڑے رہے۔ سریش نے سوتی ہوئی شیاما کے منہ میں کپڑا ٹھونسا، اوپر ایک کپڑا باندھا، وہ جاگ کر تڑپی۔ سریش نے اُسے کندھے پر ڈالا اور سب آدمی نکل گئے۔

سریش نے راستے میں شیاما کو نہ بتایا کہ وہ سریش ہے۔ وہ تو سریش کو مرا ہُوا اور اپنے آپ کو اُس کی بیوہ سمجھتی تھی۔ اُس کی تو ندی سے لاش برآمد ہو چکی تھی۔ یہ چار سوار جب شکورے کے ٹھکانے پر پہنچے تو وہ گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اُسے جگا لیا گیا۔ لالٹین کی روشنی میں شیاما کا منہ کھول کر اُس کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ سریش نے مجھے بتایا کہ اتنی خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو دیکھ کر شکورے کا منہ کھل گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور جب سریش نے اپنے چہرے سے پگڑی کا نقاب اٹھایا تو شیاما اُسے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر اُسے چکر آگیا۔ اُس کا سر ڈولا تو کسی نے اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اُسے پانی پلایا گیا۔

"میں تمہارا پتی (خاوند) سریش ہوں"۔۔۔ سریش نے اُسے کہا۔۔۔ "میں ایک جنم مر چکا ہوں۔ یہ میرا دوسرا جنم ہے۔ تم ہو گی کس طرح کا لوگی؟ تمہیں مجھ سے اس لئے نفرت تھی کہ میں تم جیسا خوبصورت اور امیر نہیں تھا۔ میں نے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک تو تمہیں اس نوجوانی کی ہوگی سے بچایا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہیں ویسا ہی خوبصورت اور امیر خاوند دے دیا ہے جیسا تم چاہتی تھیں۔ تم اب اس شخص کے پاس رہو گی۔ دیکھو کتنا خوبصورت آدمی ہے۔ اسے جتنی دولت اور جو بھی چیز کہو گی، یہ جنوں کی طرح حاضر کر دے گا۔"

شیاما کو سریش نے زیادہ دیر پریشان نہ کیا۔ اُسے بتا دیا کہ وہ قتل نہیں ہوا تھا، نہ اُس کی لاش کسی نے پانی میں پھینکی تھی بلکہ وہ قتل کرنے کے لئے گھر سے غائب ہوا تھا۔ اُس نے شیاما کو طنزیہ لہجے میں کہا کہ وہ اس کے اور اس کے باپ کے طعنوں کا جواب دینے کے لئے گھر سے بھاگا تھا اور اب وہ اس کے باپ کی وہ دولت جس پر اسے ناز تھا، لوٹ کر یہاں لے آئے گا اور یہ دولت دیہات کے اُن غریبوں میں تقسیم ہو گی جو امیروں کے آگے اس لئے سر نہیں اُٹھاتے کہ انہیں امیر غصے میں آکر غربت کا طعنہ نہ دیں۔ اُس نے شیاما کو یہ بھی بتا دیا کہ وہ عبدالرحیم کو قتل کر چکا ہے، اب اپنی بہن ادشا کو قتل کرے گا۔

شیاما نے پہلے اسے گالیاں دیں۔ جب کوئی اثر نہ دیکھا تو سریش کی منت سماجت کی اور کہا کہ وہ اپنے باپ سے کہہ کر الگ مکان بنوا لے گی جہاں وہ سریش کو شہزادوں کی طرح رکھے گی۔ سریش نے اسے کہا کہ وہ شہزادہ بن چکا ہے۔

مقتول قاتل بن گیا

سریش بہت دیر سے بول رہا تھا۔ ڈاکٹر ایک بار پھر اُسے دیکھنے آیا۔ اُس

نے مجھے کہا کہ میں سریش کو کچھ دیر آرام کرنے دوں۔ میں بھی دیکھ رہا تھا کہ اس کا رنگ پھیکا پڑتا جا رہا تھا اور اُس کے لہجے میں تھکن صاف محسوس ہوتی تھی لیکن اُس نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولا۔۔۔ "میری ساری بات ایک ہی بار سن لیں"۔۔۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "پھر شاید مجھے بولنے کا کبھی موقع نہیں ملے گا۔"

اُس کے لہجے میں شکست نہیں، اداسی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا جیسے یہ ساری باتیں سنا کے اُسے سکون مل رہا تھا۔ مجھے ڈاکٹر کی یقین دہانی کے مطابق ایسا نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ مر جائے گا، پھر بھی میں چاہتا تھا کہ اُس کا پورا بیان لے لوں۔ ڈاکٹر اسے دیکھ کر مجھے کہنے لگا کہ باہر لوگوں کا ہجوم ہے اور کوئی بھی نہیں مان رہا کہ یہ جیتا جاگتا سریش ہے۔ سب اسے بدروح یا سریش کا بھوت سمجھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے یہ بھی بتایا کہ مندر کے پنڈت نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ جو قتل ہو جاتا ہے اُس کی روح زمین پر ہی رہتی ہے اور قتل و غارت کرتی پھرتی ہے۔ ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ سریش کو موت کے فوراً بعد دوسرا جنم مل گیا ہے اور وہ اپنے ماں باپ، بہن، اور بیوی کو بھول گیا ہے۔

ہندوؤں نے اپنے باطل مذہب کے عقیدوں اور توہمات کے زیر اثر عجیب و غریب اور سنسنی خیز کہانیاں گھڑ لی تھیں۔

میں سریش کا بیان لے رہا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ اس کے مُنہ سے میرے کام کی بات نکل آئے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شکورا کہاں ہے اور سریش کا وہ دوست کرن ہے اور کہاں ہے جو اسے شکورے کے پاس لے گیا تھا لیکن سریش ایسا کوئی اشارہ نہیں دے رہا تھا۔ وہ کہانی سنانے کے انداز سے بیان دے رہا تھا۔ میں اچانک کوئی سوال کر ڈالتا لیکن وہ محتاط ہو جاتا اور گول مول سا جواب دے کر کہانی سنانے لگتا۔

شکورے نے شیاما کو سنبھال لیا۔ سریش کو معلوم نہیں تھا کہ شکورے نے شیاما کو کس طرح رام کیا۔ دوسرے دن سریش نے دیکھا کہ شکورا بہت خوش تھا اور شیاما ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اُس نے سریش سے کچھ بھی نہ کہا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے شکورے کو قبول کر لیا تھا۔ سریش نے شکورے سے کہا کہ وہ آج رات ہی بہن کو قتل کرنے جائے گا اور اپنے گھر میں جتنی بھی نقدی اور زیورات ہیں، اٹھا لائے گا۔ شکورے نے اُسے کہا کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح بے قابو نہ ہونے دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جوش میں پکڑا جائے۔

"میں قتل ہو چکا ہوں اُستاد!" — سریش نے کہا — "میری لاش برآمد ہو چکی ہے۔ اس کا پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے اور لاش جلائی جا چکی ہے۔ میں اپنے گھر جا کر کہوں گا کہ تمہارے مرے ہوئے بیٹے کی بدروح ہوں۔ وہ سب غش کھا کر گر پڑیں گے۔ میں اپنا کام کر آؤں گا۔"

"وہ اتنا شور مچائیں گے کہ سارا شہر اکٹھا ہو جائے گا۔" شکورے نے کہا — "تم میرے آدمی کو بھی پکڑوا دو گے۔"

"میں اکیلا جاؤں گا اُستاد!" — اس نے کہا — "مجھے گھوڑی دے دو۔ خنجر میرے پاس ہے۔"

شکورے نے اُسے اجازت دے دی۔ وہ اسی گھوڑی پر آیا اور گھوڑی اُسی دوست کے گھر چھوڑی۔ اُسے بتایا کہ وہ کیا کرنے آیا ہے۔ دوست نے بھی اُسے روکا کہ وہ اتنی جلدی جلدی وارداتیں نہ کرے لیکن سریش انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ اپنے گھر والی گلی میں گیا۔ وہ سر سے ننگا تھا اور اس کا چہرہ بھی ننگا تھا۔ چوکیدار دوسری گلی میں چلا گیا تو اُس نے اپنے دروازے پر دستک دی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھلا۔ اس کا باپ تھا۔ سریش نے کہا کہ میں سریش ہوں جس کی لاش کو تم لوگ جلا چکے ہو۔ اُس کے باپ کی تو جیسے زبان ہی اکڑ گئی تھی۔ سریش نے دھکا دے کر کہا، اندر چلو، اور لالٹین جلاؤ۔ باپ دوڑ گیا۔ وہ "ہری رام، ہری رام" بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اُس نے لالٹین جلائی اور سریش کے کہنے پر برآمدے میں لٹکا دی۔

سریش کی ماں اور اُوشا بھی جاگ اٹھیں۔ ان میں سے کسی نے پوچھا، یہ کون ہے۔ سریش کے باپ کے مُنہ سے تڑپ کی طرح آواز نکلی — "بھوت ہے .... سریش کا بھوت" — اُوشا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سریش نے غصّے سے پاگل ہو کر اس کے پیٹ

اور سینے میں اتنے خنجر مارے جو اُسے یاد نہیں تھے کہ کتنے۔ اُوشا ایک دو بار چیخ کر گری اور خاموش ہو گئی۔ سریش اندر چلا گیا اور یہ پروا کئے بغیر کہ اس کے ماں باپ "بھوت، بھوت" کا شور بپا کئے ہوتے ہیں، ٹرنک سے زیورات اور نقدی نکالی۔ اُسے معلوم تھا ماں چابیاں کہاں رکھتی ہے، اور مال کون سے ٹرنک میں ہے۔

وہ باہر آیا تو برآمدے میں پانچ آدمی آ چکے تھے۔ اُس کی ماں اور اس کا باپ گھٹنے ٹیکے ہوتے اور ہاتھ جوڑے ہوتے کچھ پڑھ رہے تھے۔ سریش نے ان آدمیوں کو ڈرایا کہ وہ بدروح ہے اور سب کو ہلاک کر دے گا۔ چاروں ہندو ڈر کر صحن میں چلے گئے۔ دونوں مسلمان جنہیں وہ پڑوسی ہونے کی وجہ سے جانتا تھا، نہ ڈرے۔ سریش کو اب وہاں سے نکلنا تھا۔ اُس نے اُس مسلمان پر حملہ کیا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی لیکن دوسرے مسلمان نے اُس کے خنجر والے ہاتھ پر اتنی زور سے ڈنڈا مارا کہ خنجر گر پڑا۔ پھر ان دونوں نے اسے بہت مارا۔

وہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اس کا کھیل ختم ہے اور اب وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ اسے فرش پر خنجر پڑا نظر آ گیا۔ اُس نے فوراً سوچ لیا کہ پھانسی کی سزا ملے گی۔ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو خود ہی ختم کر لو۔ اُس نے لپک کر خنجر اُٹھایا۔ وہ چونکہ پیٹ کے بل تھا اس لئے خنجر پورے زور سے اپنے سینے میں نہ اتار سکا۔ دونوں مسلمانوں نے اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔

اتنے میں اُس کا پڑوسی مسلمان دوست آ گیا۔ سریش میں اب اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ باقی سب تھانے چلے گئے۔ یہ دوست اُس کا خون روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ سریش نے اُس کی منّت کی کہ اسے باورچی خانے سے چھری لا دے، وہ مرنا چاہتا ہے لیکن دوست نے اُسے پیٹ کے بل کر لیا تھا اور اُسے اُٹھنے نہیں دے رہا تھا۔ اس کی ماں اور اس کے باپ نے اس قدر شور مچا رکھا تھا کہ سارے محلّے کے مرد ان کے گھر میں آ گئے۔

اس کا بیان ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اُسے بہت لالچ دیئے۔ اسے سزائے موت سے بچانے کا وعدہ بھی دیا اور کہا کہ وہ مجھے شکورے کا ٹھکانہ بتا دے اور اپنے اس دوست کی نشاندہی کر دے جس نے اس کی مدد کی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ شکورے اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس آدمی کو دھوکہ نہیں دے گا میری کوئی بھی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

لاش کا معمہ حل ہو گیا

میں نے اُمید لگاتے رکھی کہ سریش صحت یاب ہو کر مجھے شکورے اور اپنے اس پُراسرار دوست کے متعلق بتا دے گا۔ ابھی تو وہ بہت بُری حالت میں تھا۔ اُسے ڈنڈے اور ٹارچ کی بہت چوٹیں آئی تھیں۔ میں تھانے چلا گیا۔ سریش کے باپ اور اُس کی ماں کو بلایا۔ وہ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ ابھی تک سریش کو اُس کی مدروح سمجھ رہے تھے اور بیان نہیں دیتے تھے۔

رات بہت دیر تک میں گواہوں کی فہرست بناتا رہا۔ کیس بڑا صاف تھا۔

اگلے دن دو واقعات ہو گئے۔ پہلی خبر یہ آئی کہ سریش مر گیا ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے اپنے جسم اور سینے کو اکڑا اکڑا کر پھیپھڑے کا زخم کھول دیا تھا۔ اس نے کھانے پینے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے رپورٹ لکھی تھی کہ سریش نے آرام کرنے کی بجائے سینے کو اتنی زور سے بار بار پھیلایا اور جھٹکے دیتے کہ پھیپھڑے کے زخم سے خون جاری ہو گیا جس نے پھیپھڑوں میں پھیل کر پھیپھڑوں کا عمل روک دیا۔ یوں کہہ لیں کہ سریش نے خودکشی کر لی تھی۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہنا چاہتا۔

میں یہ رپورٹ لکھ ہی رہا تھا کہ میرے علاقے سے ایک ملحقہ دیہاتی علاقے کا تھانیدار آ گیا۔ اُس کے ساتھ قتل کے دو ملزم تھے۔ اُس نے بتایا کہ وہ میرے علاقے سے ایک لاش برآمد کرنے آیا ہے۔ سولہ سترہ روز پہلے اُس کے علاقے کے ایک گاؤں کا جوان ہندو لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس تھانیدار نے تفتیش میں بہت محنت کی اور ان دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ دونوں نے اقبالِ جرم کر لیا کہ انہوں نے لاپتہ آدمی کو قتل کیا تھا اور لاش میرے علاقے میں آن پھینکی۔ انہوں نے مقتول کا گلا گھونٹا تھا۔

میں نے تھانیدار سے پوچھا کہ لاش کہاں پھینکی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یہ بتاتے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں کہ ندی میں ایک جگہ پانی گہرا تھا، وہاں پھینکی تھی۔ ملزموں نے کبھی یہاں سے گزرتے وہ جگہ دیکھی تھی اور انہیں وہاں پانی گہرا نظر آیا تھا۔ انہوں نے مقتول کو جب قتل کیا تو لاش گھوڑی پر رکھ کر تیرہ چودہ میل دُور قصبے کے قریب لے آئے اور ندی میں پھینک گئے۔

میں چونکا اور ان کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ ملزم اُسی جگہ لے گئے جہاں سے وہ لاش برآمد ہوئی تھی جسے سریش کی لاش کہا گیا تھا۔ میں نے تھانیدار کو بتایا کہ وہ لاش تو برآمد ہو کر جلائی بھی جا چکی ہے۔ تاہم شک رفع کرنے کے لئے میں نے دو آدمی بلا کر پانی میں اُتارے۔ گہرا پانی زیادہ وسیع علاقے میں نہیں تھا۔ دونوں آدمیوں نے کہا کہ نیچے کوئی لاش نہیں۔

میں نے ملزموں سے لاش کے کپڑوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے وہی کپڑے بتائے جو وہاں سے برآمد ہونے والی لاش کے تھے۔ دو تین مزید نشانیاں مل گئیں اور پتہ چل گیا کہ یہ لاش سریش کی نہیں کسی اور کی تھی۔ لاش جلائی جا چکی تھی۔ اس تھانیدار کو مقدمہ تیار کرنا تھا مگر لاش والا خانہ خالی تھا۔ یہ خانہ میں نے اپنی گواہی ڈال کر پُر کیا۔

یہ واقعہ میرے لئے کوئی ایسا اہم نہیں تھا، بلکہ اس سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ لاش کس کی تھی۔ میرے لئے اہم اور نقصان دہ واقعہ یہ تھا کہ سریش یہ راز اپنے ساتھ لے گیا تھا کہ شکورا کہاں ہے اور جو آدمی سریش کو شکورے کے پاس لے گیا اور جس نے اسے قتل کی وارداتوں میں راہنمائی اور مدد دی تھی وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ اب مجھے اس آدمی کا سراغ لگانا تھا اور یہ بڑا ہی مشکل کام تھا۔ سریش کے بیان سے مجھے شک ہوا تھا کہ وہ آدمی میرے قبضے میں ہے۔ میں نے یہ بھی ذہن میں رکھا کہ اپنی بہن کو قتل کرنے کے لئے جب سریش آیا تھا تو اس نے گھوڑی اس آدمی کے گھر باندھی تھی۔

دلیپا لوہار اور سریش کی بہن

مجھے اُوپر والوں کو بھیجنے کے لئے لمبی چوڑی رپورٹ بھیجنی تھی۔ سریش کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موت کے کاغذات تیار کرنے تھے مگر مجھے ایک منٹ بھی ضائع کئے بغیر سریش کے خفیہ دوست کا سراغ لگانا تھا۔ عبدالرحیم اور اوشا کے قتل کے کیس ختم ہو چکے تھے۔ میں نے رات کو ہی سریش کا مختصر سا زخمی بیان ڈاکٹر کی موجودگی میں لے لیا تھا۔ اس نے میری تفتیش ختم کر دی تھی۔ اس کے بعد سریش نے جو بیان دیا تھا، وہ زخمی بیان کی تفصیلات تھیں جو ڈاکٹر کی موجودگی میں نہیں لی گئی تھیں لیکن زخمی بیان کافی تھا۔

مجھے اب شیاما کو برآمد کرنا تھا۔ یہ کیس درج ہو چکا تھا۔ یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ شکورے کے پاس ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ شکورا کہاں ہے۔ میں نے اپنے اے۔ ایس آئی اور محرر کو ضروری ہدایات دے کر کہا کہ وہ رپورٹ تیار کریں۔ میں نے دو کانسٹیبلوں کو سریش کے دوستوں کو تھانے لانے کے لئے بھیج دیا۔ وہ چار تھے۔ ان میں ایک اُس کا پڑوسی تھا۔ ایک پہلو میرے سامنے آتا تھا۔ ذرا غور کریں کہ ڈاکو اور ان کے ساتھی اتنے پکے نہیں ہوتے کہ ایک نوجوان انتقام اور غصے کے جوش میں ان کے پاس جاتے اور وہ فوراً اسے اپنا ساتھی بنا لیں۔ شکورا ایسا خطرہ تو مول لے ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ تین تھانوں میں متعدد وارداتوں میں مطلوب تھا اور وہ اشتہاری ملزم تھا۔ سریش کو اس کے آدمی نے فوراً شکورے تک پہنچا دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس آدمی کو سریش پر پہلے ہی بھروسہ تھا۔ اگر بھروسہ تھا تو ان کے تعلقات گہرے ہوں گے۔

سریش کے چاروں دوست آ گئے۔ وہ تو میرے بھی دوست بن چکے تھے۔ میں نے انہیں اکٹھے بٹھا لیا اور ان سے پوچھا کہ وہ اچھی طرح یاد کر کے بتائیں کہ سریش کی دوستی اور کس کے ساتھ تھی۔ چاروں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ آپس میں باتیں کیں۔ کچھ میں نے انہیں اشارے دیئے۔ آخر انہیں یہ یاد آیا کہ دو تین ماہ پہلے تک سریش علی الصبح ایک پہلوان کے اکھاڑے میں جا رہا ہے۔ سریش کے پڑوسی دوست نے بتایا کہ یہ پہلوان کبھی کبھی سریش کے گھر بھی آیا کرتا تھا۔

انہوں نے اس کا نام دلیپ کنور بتایا۔ وہ لوہار کا کام کرتا تھا۔ ہلوں کے پھل ٹھیک کرتا اور گھوڑوں کے نعل بھی باندھتا تھا۔ قصبے سے باہر کی طرف اُس کا کچا مکان

تھا۔ یہ مکان اُس طرف تھا جس طرف عبدالرحیم کا باغ تھا۔ سریش اپنے ان دوستوں سے بھی کہا کرتا تھا کہ وہ اکھاڑے میں چلا کریں۔ ان میں سے دو کچھ دن جاتے رہے تھے، پھر انہوں نے جانا چھوڑ دیا تھا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ پہلوانوں کی طرح موٹے جسم کا آدمی نہیں بلکہ اس کا جسم پھریرا اور پھرتیلا ہے۔ وہ کوئی اُستاد پہلوان نہیں تھا۔ اس کی بیوی تھی اور دو بچے۔ دونوں دودھ پینے کی عمر میں تھے۔

میں نے ایک پرانے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا کہ وہ دلیپ لوہار کو جانتا ہے؟ اُس نے بتایا کہ وہ اُسے جانتا ہے۔ لوہار کا کام کرتا ہے اور قبرستان کے نکڑ پر جُوا بھی کھیلتا ہے۔ جُوئے کے علاوہ اُس کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی۔ ہیڈ کانسٹیبل نے دلیپ کے متعلق پوری رپورٹ لینے کے لئے دو آدمی بلا لئے۔ یہ جُوا کھیلنے والے اور چھوٹے چھوٹے جرائم کرنے والے آدمی تھے۔ یہی لوگ پولیس کے مخبر ہُوا کرتے ہیں۔

میں نے ان سے دلیپ لوہار کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لوہار نہیں، کچھ اور بھی ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ وہ تین تین چار چار دنوں کے لئے کہیں چلا جاتا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اب گھر میں ہی ہے یا کہیں گیا ہُوا ہے۔ بہرحال انہوں نے دلیپ کی جو باتیں سنائیں، ان سے میرا شک پختہ ہو گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس کے پاس گھوڑی ہے؟

"نہیں"۔۔۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔۔۔ "اُس نے کبھی گھوڑی نہیں رکھی۔"

اتنے میں ایک اور آدمی آ گیا۔ اسے بھی ہیڈ کانسٹیبل نے بلایا تھا۔ اس سے دلیپ کے متعلق پوچھا تو اُس نے بھی وہی کچھ بتایا جو دو آدمی بتا چکے تھے۔ یہ آدمی اُسے زیادہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ دلیپ لوہار کسی پہلو شریف آدمی نہیں مگر اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ دلیپ کہاں چلا جاتا ہے۔

یہ آدمی چرس پیتا تھا۔ رات اتنی چرس پی گیا کہ نیکے میں ہی پڑا رہا۔ صبح اذان کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو وہ ندی کی طرف چلا گیا۔ ایک گھوڑ سوار اس کے قریب سے گزرا تو اس نے پہچان لیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"وہ دلیپا لوہار تھا"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔"میں نے کہا، دلیپے اتنی سویرے کہاں چل پڑے؟ اُس نے کہا کہ سامنے والے گاؤں میں مُکھیا نے کسی کام سے بلایا تھا۔ سوچا، صبح صبح ہو آؤں۔۔۔۔ اور وہ چلا گیا۔"

میں نے اس آدمی سے کہا کہ اور یاد کرو۔ کوئی بہت چھوٹی سی بات ہو تو وہ بھی بتا دو۔ اس نے چند ایک باتیں بتائیں اور اُس نے ایک بات معمولی سمجھ کر بتائی جو میرے لئے بہت اہم تھی۔ اُس نے سریش کے باپ کا نام لے کر کہا کہ اُس کی بیٹی اُوشا جو سُنا ہے رات کو قتل ہو گئی ہے، بیوہ ہو کر گھر آئی تو اسے دلیپے نے پھانس لیا تھا۔

"اُوشا کے بھائی سریش کی بھی دلیپے کے ساتھ دوستی تھی"۔۔۔ میں نے کہا۔

"سریش کو تو اُس نے اپنا شاگرد بنا لیا تھا"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔"صبح سویرے اکھاڑے میں اُسے داؤ سکھاتا تھا۔ اس کے گھر جاتا اور اس گھر کی بہت خدمت کرتا تھا۔"

اس نے تفصیل سے بتایا کہ اُوشا کے ساتھ اس کی ملاقاتیں کہاں ہوتی تھیں۔ اس آدمی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُوشا نے عبدالرحیم کے ساتھ دوستی کر لی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ دلیپ کے ساتھ دوستی رہی تو اُوشا بدنام نہ ہوئی۔ عبدالرحیم کے ساتھ اس کا دوستانہ ہوا تو سارے شہر کو پتہ چل گیا۔

میں نے اسی آدمی سے کہا کہ فوراً پتہ کر کے آؤ کہ دلیپ واپس آیا ہے یا نہیں۔ میرے ذہن میں ایک اور شک نے سر اُٹھایا تھا۔ دلیپ کو یقیناً پتہ چل گیا تھا کہ سریش پکڑا گیا ہے۔ اگر دلیپ ہی شکورے کا آدمی اور سریش کا دوست ہے تو وہ شکورے کو اطلاع دینے چلا گیا ہو گا۔ سریش گھوڑی اس کے گھر باندھ آیا ہو گا۔ دلیپ اسی گھوڑی پر شکورے کے پاس گیا ہو گا۔

میرا شک بڑا پختہ تھا

دروازہ اُس کی بیوی نے کھولا

یہ آدمی آدھے گھنٹے میں ہی آ گیا اور خبر لایا کہ دلیپا واپس نہیں آیا۔ اُس کی بیوی اور بچے گھر ہیں۔ شاید شام کو آ جاتے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ وہ کسی قابلِ اعتماد آدمی کو یہ ڈیوٹی دے کہ دلیپ کے گھر پر نظر رکھے۔ وہ جوں ہی آئے، فوراً مجھے اطلاع مل جاتے۔

میں دوسری کارروائیوں میں مصروف ہو گیا۔ سریش کے دوستوں کو فارغ کر دیا۔ مخبروں کو ڈرایا، دھمکایا کہ دلیپا میرے ہاتھ نہ آیا تو میں انہیں اس شک میں پکڑ لوں گا کہ انہوں نے اُسے خبردار کر کے بھگا دیا ہے۔

دن بھر مصروفیت میں گزرا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے ہوں گے۔ میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ مجھے جگا کر بتایا گیا کہ دلیپا لوہار ابھی ابھی گھر آیا ہے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا اور جا کر دلیپے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ اُس کی بیوی نے کھولا۔ میں نے پوچھا "دلیپا کہاں ہے؟" اُس نے جواب دیا۔۔۔"وہ تو گھر نہیں ہے۔"

میں نے اُسے ایک طرف دھکا دیا اور اندر چلا گیا۔ دلیپ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُسے کہا۔"دلیپے! تم تو گھر نہیں تھے۔" اُس نے ہنس کر کہا ۔۔۔"میں نے بیوی سے کہا تھا کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ جو کوئی ہو، کہہ دینا میں گھر نہیں ہوں۔"

"کہیں باہر سے آ رہے ہو؟"

"نہ جی!"۔۔۔ اُس نے جواب دیا ۔۔۔"ہم غریبوں کو کہاں جانا ہے۔"

صحن میں ایک طرف کچا برآمدہ تھا۔ وہاں گھوڑے کی لید اور چارہ بکھرا ہوا تھا۔ میں نے دلیپ سے پوچھا کہ گھوڑی کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دوست آیا تھا۔ اُس کی گھوڑی یہاں بندھی رہی ہے۔

میں نے اُسے ساتھ لیا اور باہر آ کر چوکیدار سے الگ لے جا کر کہا کہ وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس گھر پر نظر رکھے۔ دلیپ کی بیوی گھر سے نکلے تو اُس کا پیچھا کر کے دیکھے کہ کہاں جاتی ہے اور اگر کوئی آدمی اس گھر میں آتے تو فوراً تھانے میں اطلاع دے۔ چوکیدار کو بتائے بغیر میں نے ایک اور آدمی کو اس ڈیوٹی پر وہاں چھوڑ دیا اور اسے کہا کہ وہ چوکیدار سے چھپا رہے اور اُس پر نظر بھی رکھے۔ بعض چوکیدار بڑے بڑے ڈاکوؤں کے مخبر ہُوا کرتے تھے۔ میں نے دلیپ کی بیوی کو اس مقصد کے لئے گھر پر ہی رہنے دیا تھا کہ ہو سکتا ہے کوئی ان کا ساتھی اس کے پاس آجائے۔

دلیپ کو تھانے لے جا کر اپنے دفتر میں بٹھایا اور اسے کہا ــــ "دو باتوں کا جواب دے کر مجھے مطمئن کر دو اور گھر چلے جاؤ۔ ایک یہ کہ تم علی الصبح گھوڑی پر کہاں گئے تھے اور دوسرے یہ کہ گھوڑی کس کی تھی .... میں تمہیں یہ بتا دوں کہ جو جواب دو گے، اس کی میں تصدیق کراؤں گا۔ تم تھانے میں ہی رہو گے اور وہ آدمی تھانے میں بلائے جائیں گے۔ دلیپے! تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ سچ بول دو۔"

اُس نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی۔ آدمی ذہین اور چالاک معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس پر کوئی جرح نہ کی۔ وہ جو کہتا رہا میں سُنتا رہا۔ وہ اپنے آپ کو غریب اور مظلوم لوہار ثابت کر رہا تھا جسے ہر کسی کا حکم ماننا پڑتا ہے۔

"دلیپے!" ــــ میں نے دوستانہ لہجے میں کہا ــــ "مجھے صرف یہ بتا دو کہ شکورا کہاں ہے۔"

"شکورا کون؟"

"تم جانتے ہو کہ سریش پکڑا گیا ہے" ــــ میں نے کہا ــــ "اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ کچا نوجوان ہے۔"

میں نے اُسے یہ نہ بتایا کہ سریش مر چکا ہے۔ اُسے معلوم نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ دن بھر قصبے سے باہر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا ــــ "اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم جیسے ملزموں سے ہم کس طرح اقبالِ جرم کرا لیا کرتے ہیں۔"

وہ پختہ کار معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے ہنس کر کہا ــــ "جناب! آپ کو غلطی لگ رہی ہے۔ کسی اور کے دھوکے میں آپ مجھے پکڑ لاتے ہیں۔"

میں نے اُسے پچھلے کمرے میں بھیج دیا اور اُس کی بیوی کو تھانے لانے کے

لئے ایک کانسٹیبل کو بھیج دیا۔ اس عورت کو پریشان کرنے کے لئے میں نے کانسٹیبل سے کہا کہ وہ اپنے بچے ساتھ لائے۔

ایک راز کھل گیا

وہ دلکش اور جوان عورت تھی۔ گھبراتی ہوئی تھانے میں آئی۔ آتے ہی کہنے لگی کہ اُس کے بچے گھر میں اکیلے ہیں۔ میں نے اُسے کہا کہ میں جو کچھ پوچھوں وہ صحیح صحیح بتا دے اور اپنے بچوں کے پاس چلی جائے۔ عورت جب ماں بن جاتی ہے تو بہت دلیر ہو جاتی ہے اور بے حد بُزدل بھی۔ اپنے بچے کی خاطر وہ اپنی فطرت کے خلاف بھی رنگ بدل لیا کرتی ہے۔ میں اس عورت کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سچ بولنے کا وعدہ کیا تو میں نے اُسے کہا کہ جُوں ہی مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ سچ بول رہی ہے، میں اُسے اُس کے گھر لے چلوں گا اور باقی باتیں وہاں ہوں گی۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ اُس نے مجھے ٹالنے اور دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں اس کے بچوں کی پرواہ نہیں کروں گا اور اُسے حوالات میں بند کر دوں گا۔

"جلدی پوچھیں" ــــ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں تیزی سے کہا ــــ "میرے بچے گھر میں اکیلے ہیں۔ جو پوچھنا ہے جلدی پوچھیں۔"

"پوچھنے کے لئے کچھ زیادہ باتیں نہیں" ــــ میں نے کہا ــــ "تمہارے خاوند نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ پولیس کو گواہیاں بھی اکٹھی کرنی پڑتی ہیں اس لئے تمہیں بلایا ہے" ــــ میں نے جھوٹ بولا ــــ "دلیپ تو شکورے ڈاکو کا دوست ہے۔ تم بھی کبھی شکورے سے ملی ہو؟"

"نہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "شکورا میرے سامنے کبھی نہیں آیا۔ دلیپا اُس کے پاس چلا جاتا ہے .... لیکن .... لیکن" ــــ اُس نے حیران سا ہو کے مجھ سے پوچھا ــــ "دلیپے نے آپ کو شکورے کی دوستی کی بات بتا دی ہے؟ مجھے تو کہا کرتا ہے کہ خواہ جان چلی جائے، کسی کو یہ بھید نہ دینا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پولیس سے کیا چھپا ہُوا ہوتا ہے"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "پولیس کو جو خود بھید دے دیتا ہے، وہ فائدے میں رہتا ہے۔ پولیس اُسے اپنا دوست سمجھتی ہے۔ دلیپا ہمارا اپنا آدمی ہے۔ مجھے کبھی کا معلوم تھا کہ دلیپا شکورے کا دوست ہے۔ اب مجھے دلیپے کی نہیں شکورے کی ضرورت ہے۔ دلیپے نے تو کوئی جُرم نہیں کیا۔ تم دل کھول کر بات کرو اور اپنے بچوں کے پاس جاؤ"

یہ عورت لگتی تو چالاک تھی لیکن میری باتوں میں آگئی۔ میں پوچھتا گیا وہ بتاتی گئی۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ مجھے بچوں کے پاس جانے دو۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ سچی باتیں بتا رہی ہے تو میں اُس کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ میری پوچھ گچھ جاری رہی۔ اُس کے گھر پہنچے تو وہ اپنے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئی۔ اس خوشی میں وہ اتنی زیادہ باتیں بتا گئی جتنی مجھے توقع نہیں تھی۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس قسم کے کردار اتنی آسانی سے بھید سے پردہ نہیں اٹھایا کرتے۔ ان سے باتیں اگلوانے کا ایک ڈھنگ ہوتا ہے۔ ایک ڈھنگ تو پھینٹی والا (تھرڈ ڈگری) ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو میں آپ کو سُنا رہا ہُوں۔ یہ خاصا مشکل فن ہے۔

اس عورت نے بتایا کہ وہ پانچ سال گزرے دلیپ کے پیچھے گھر سے نکل آئی تھی۔ اُس کے اب دو بچے تھے۔ ایک آٹھ نو ماہ کا اور دوسرا دو سال اور آٹھ نو ماہ کا لیکن دلیپ نے اس کے ساتھ باقاعدہ شادی نہیں کی تھی۔ وہ جب اس کے پاس آئی تھی، اُس وقت دلیپ شکورے کے گروہ میں تھا۔ اس عورت نے جو اُس وقت اُنیس بیس سال کی تھی، اسے شکورے کے گروہ سے ہٹانا شروع کر دیا تھا۔ دلیپ کے پاس پیسہ تھا اور وہ لوہار کا بیٹا تھا۔ اُس نے اس قبیلے کے ساتھ ہی زمین کا ایک ٹکڑا خریدا اور مکان بنا لیا۔ وہ لوہار کا کام کرتا رہا لیکن شکورے سے دوستی نہ توڑی، بلکہ اُس کا مخبر بنا رہا۔

وہ اب بھی شکورے کا مخبر تھا۔ میرے تھانے کے دو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ اُس کا گہرا دوستانہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ سریش کو جانتی ہے؟ ۔۔۔ اُس نے بتایا کہ وہ اُسے بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ سریش اس کے گھر چار پانچ

دن چھپا رہا تھا۔ اس کی گھوڑی بھی یہیں رہی۔ کل رات بھی وہ آیا تھا اور گھوڑی اس کے گھر باندھ کر چلا گیا تھا۔

"یہ سب مجھے معلوم ہے"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "دلیپ نے تمہیں بتایا تھا کہ سریش نے اپنی بہن کو قتل کر دیا ہے اور پکڑا گیا ہے؟"

"یہ تو مجھے رات کو ہی پتہ چل گیا تھا"۔۔۔ اُس نے کہا۔

"اور وہ صبح سویرے سویرے سریش کی گھوڑی پر شکورے کو بتانے چلا گیا تھا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"ہاں۔ وہ مجھے بتا گیا تھا"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

"سریش کے ساتھ دلیپ کا اتنا پیار کیوں تھا؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"دلیپے نے سریش پر جادو کر رکھا تھا"۔۔۔ اُس نے جواب دیا ۔۔۔ "دلیپا اُستاد ہے جی! میرے ساتھ کتنی بار بے وفائی کر چکا ہے۔ اُس نے سریش کی بہن اُوشا کے ساتھ یارانہ گانٹھ لیا تھا۔ سریش کو وہ پہلوانی داؤ سکھایا کرتا تھا۔ میں جانتی تھی کہ کیا ہو رہا ہے لیکن دلیپا بڑی سخت طبیعت کا آدمی ہے۔ میں اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ گھر سے اس کے پیچھے بھاگ آئی تھی"

میرا کام ہو گیا تھا۔ دلیپ شکورے کا آدمی تھا۔

دلیپا لوہار بھی مان گیا

تھانے جا کر دلیپ کو اپنے پاس بٹھایا اور اُسے کہا کہ وہ دوستوں کی طرح اپنی زبان سے سب کچھ بتا دے۔ میں نے اسے بتا دیا کہ وہ نہیں بتائے گا تو رہا بھی نہیں ہوگا اور میں اُسے سی۔ آئی۔ اے کے حوالے کر دوں گا۔ اُسے جب میری باتوں سے پتہ چلا کہ میں سب کچھ معلوم کر چکا ہوں تو وہ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ میں اُسے وعدہ معاف گواہ بنوا دوں گا۔

اُس نے وہی باتیں بتائیں جو اُس کی بیوی بتا چکی تھی۔ سریش کی بہن کے متعلق اُس نے کچھ نہ چھپایا۔ اُس نے کہا کہ سریش دلیر اور غیرت مند نوجوان تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُسے اُس نے بڑی مشکل سے رام کر کے اس کی بہن کے ساتھ تعلقات قائم کئے تھے۔ وہ سریش کے گھر بھی جایا کرتا تھا۔ اُوشا کبھی کبھی اُس کے گھر آیا کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ دلیپ کو سریش بہت اچھا لگنے لگا اور اس کے ساتھ اس کی دوستی بہت گہری ہوگئی۔ اُوشا عبدالرحیم کی ہوگئی تو بھی دلیپ اور سریش کی دوستی پکی رہی۔ سریش کے متعلق میں تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ اُس کی غیرت اور جذبات کے ساتھ کیا سلوک ہُوا۔ اُس نے یہ راستہ اختیار کیا کہ دلیپ کو ساری رام کہانی سنائی۔ دلیپ نے مجھے اقبالی بیان دیتے ہُوئے کہا کہ اُس نے جب سریش کا یہ ارادہ دیکھا کہ وہ عبدالرحیم کو قتل کرے گا اور پھر اُوشا کو بھی قتل کرے گا تو وہ بہت خوش ہُوا۔ وہ خود ان دونوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُوشا نے اس کے ساتھ تعلقات توڑ کر عبدالرحیم سے دل لگا لیا تو ایک روز دلیپ نے اُوشا سے گِلہ کیا کہ اُس نے اُس کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ اُوشا نے اُسے حقارت سے کہا تھا — "ارے جا، اپنی شکل تو دیکھ۔ دو کوڑی کا لوہار اتنے بڑے چوہدری کی برابری کرتا ہے۔"

یہ اُوشا نے کہا تھا۔ اس سے دو چار روز بعد دلیپ عبدالرحیم کے باغ کے قریب سے گزر رہا تھا تو عبدالرحیم نے اُسے بلا کر گالیاں دیں اور کہا تھا کہ وہ اُس راستے سے گزرنے کی جرأت نہ کیا کرے جس راستے سے اُوشا گزرا کرتی ہے۔ عبدالرحیم کو معلوم نہیں تھا کہ وہ جسے اتنا حقیر سمجھ رہا ہے وہ ایک اشتہاری ڈاکو کا آدمی ہے۔ تاہم دلیپ نے انتقام کی نہیں سوچی تھی۔ اب سریش نے ان دونوں سے انتقام لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو اُس کے اندر بھی انتقام کا شعلہ بھڑکا۔ اس نے سریش کے ارادوں میں اپنا مزید فائدہ دیکھا۔ سریش اپنے سُسر کے گھر اور اپنے گھر بھی ڈاکہ ڈالنا چاہتا تھا۔ دلیپ کو اس میں سے حصہ ملنے کی توقع تھی۔ شکورا حصہ دینے میں بڑا فیاض تھا۔

دلیپ سریش کی بیوی شیاما کو اچھی طرح جانتا تھا۔ سریش نے جب کہا کہ وہ شیاما کو اغوا کر کے شکورے کے حوالے کر دے گا تو دلیپ کو یہ خوشی ہوئی کہ وہ اتنی خوبصورت لڑکی شکورے کو دلا کر اُس کی خوشنودی حاصل کرے گا۔ وہ شکورے

کے پاس چلا گیا اور اُسے سب کچھ بتایا اور اُس نے سریش کی سفارش کی۔ شکورا مان گیا اور سریش کو ایک روز دلیپ شکورے کے پاس لے گیا۔

اس کے بعد کی کہانی تو میں آپ کو سریش کی زبانی سُنا چکا ہوں۔ اب مسئلہ شکورے کو پکڑنے کا تھا۔ دلیپ نے بتایا کہ شکورا اب وہاں نہیں ملے گا کیونکہ دلیپ اُسے بتا آیا تھا کہ سریش پکڑا گیا ہے اور چونکہ وہ نوجوان اور ناتجربہ کار ہے، اس لئے خطرہ ہے کہ وہ اقبالِ جرم کر کے شکورے کی نشاندہی کر دے گا۔ دلیپ کو اپنے متعلق بھی یہی خطرہ تھا لیکن اس نے ابھی سوچا نہیں تھا کہ وہ کیا کرے اور وہ پکڑا گیا۔ اُس نے ان تمام واقعات کی تصدیق کر دی جو سریش نے اپنے بیان میں سنائے تھے۔ میں نے اسے اپنا فیصلہ سُنا دیا کہ میں اُسے وعدہ معاف گواہ بنا رہا ہوں۔ اُس نے اُس گاؤں کا نام بھی بتا دیا جہاں شکورا ٹھہرا ہُوا تھا۔ اب شکورا وہاں سے چلا گیا تھا۔ دلیپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہوگا۔ اس نے تین جگہیں بتائیں۔

شیاما اور شکورے کی محبت کا آخری منظر

شیاما کا باپ یعنی سریش کا سُسر اپنی بیٹی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود افسوس ہو رہا تھا کہ اتنی نازک اور نوجوان لڑکی وحشیوں کے قبضے میں آگئی ہے۔ اس کا باپ تھانے سے اُٹھتا نہیں تھا۔ رو رو کر کہتا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی واپسی کے لئے ساری دولت لُٹا دوں گا۔ جب دلیپ نے اقبالِ جرم کر لیا تو میں نے شیاما کے باپ کو بتایا کہ اس کی بیٹی کا سراغ مل گیا ہے اور اُسے دلیپ برآمد کرا سکتا ہے۔ شیاما کے باپ کے کہنے پر میں نے اُسے دلیپ سے ملوا دیا۔ اُس نے دلیپ سے کہا کہ وہ اُس کی بیٹی برآمد کرا دے تو وہ اُسے پانچ ہزار روپیہ دے گا۔ یہ خاص طور پر پیشِ نظر رکھیں کہ اُس دَور کا پانچ ہزار روپیہ آج کے ایک لاکھ روپے کے برابر تھا۔

دلیپ کی تو قسمت جاگ اُٹھی تھی۔ ایک طرف وہ وعدہ معاف گواہ بن

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہا تھا، دوسری طرف اُسے پانچ ہزار روپیہ مل رہا تھا۔ اُس نے پورے عزم سے شکورے کو پکڑوانے کا وعدہ کیا۔

شکورے کو پکڑنا میرا کام نہیں تھا۔ میں نے بڑی طویل رپورٹ لکھی اور اپنے ڈی۔ ایس۔ پی کو بھیج دی۔ انگریز افسر ڈاکوؤں کو پکڑنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ قتل کی تفتیش اور سراغرسانی کو اتنی ہمت نہیں دیتے تھے جتنی ڈکیتی، نقب زنی اور چوری کی تفتیش کو دیتے تھے۔ ترقی دیتے وقت وہ خاص طور پر دیکھتے تھے کہ اس نے ڈکیتی وغیرہ کی کتنی وارداتوں کی کامیاب تفتیش کی ہے۔

میری رپورٹ پہنچتے ہی انگریز ڈی۔ ایس۔ پی کیننگٹن میرے تھانے میں آگیا اور اُس نے مجھے اور دلیپ کو سامنے بٹھا لیا۔ مجھے اُس نے دل کھول کر داد دی۔ وہ اُردو تو بولتا ہی تھا، اس علاقے کی دیہاتی زبان بھی بول اور سمجھ سکتا تھا۔ اُس نے پورا ایک دن میرے تھانے میں صرف کر کے کیس سی۔ آئی۔ اے کے لئے تیار کیا۔ وہ چلا گیا اور تیسرے روز واپس آگیا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز پولیس انسپکٹر تھا۔ دو انسپکٹر ہندوستانی مسلمان تھے اور دس کانسٹیبل بھی ساتھ تھے جن کا تعلق ڈکیتی سکواڈ کے ساتھ تھا۔ چھ کانسٹیبل میرے تھانے کے چُنے گئے۔

ڈی۔ ایس۔ پی اور انگریز انسپکٹر نے ایک سکیم تیار کی تھی جو یوں تھی کہ وہ ایک پرائیویٹ لاری (لبس) پر آتے تھے۔ دلیپ کو ان تینوں جگہوں پر جانا تھا جہاں شکورا گیا تھا۔ وہ ان تین میں سے کسی ایک جگہ تھا۔ دلیپ نے اسے یہ بتانا تھا کہ بمبئی کا ایک پارسی تاجر اپنی لاری پر بمبئی سے آیا ہے۔ وہ بڑے بڑے شہروں میں مال بیچ بھی رہا ہے خرید بھی رہا ہے۔ اُس کے پاس لاکھوں روپیہ ہے اور سونا بھی ہے۔ دلیپ نے شکورے کو اطلاع دے کر واپس آنا تھا تاکہ وہ میرے قصبے سے لاری کی روانگی کا سراغ لگا کر شکورے کو بتلاتے۔

اس لاری میں ڈی۔ ایس۔ پی کیننگٹن، انگریز انسپکٹر، دونوں مسلمان انسپکٹروں اور سولہ کانسٹیبلوں کو پرائیویٹ کپڑوں میں جانا تھا لیکن انہیں سیٹوں پر نہیں فرش پر اس طرح بیٹھنا تھا کہ باہر سے نظر نہ آسکیں۔ دلیپ کو شکورے کے ساتھ ہونا اور

لاری پر حملے کے لئے گھات لگانی تھی۔ اس طرح شکورے کو زندہ یا مردہ پکڑنا آسان سمجھا گیا تھا۔ اکثر یوں ہوتا تھا کہ جس گاؤں میں کسی ڈاکو کی موجودگی کی اطلاع ملتی تھی، اُس گاؤں کا بڑی خاموشی سے محاصرہ کر لیا جاتا تھا۔ مقابلہ ہوتا تھا۔ ڈاکو عموماً ایمونیشن ختم ہو جانے کی وجہ سے پکڑے جاتے یا مارے جاتے تھے اور بعض نکل بھی جایا کرتے تھے۔

شکورے کے طور طریقوں اور چالوں سے ڈی۔ ایس۔ پی کیننگٹن اچھی طرح واقف تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کا مخبری کا نظام بڑا اچھا ہے۔ وہ محاصرے میں آنے سے پہلے ہی نکل جاتا ہے، اس لئے اُسے مال سے بھری ہوئی لاری کا دھوکہ دیا جا رہا تھا۔ آپ نے سلطانہ ڈاکو کی انگریزی فلم THE LONG DUEL دیکھی ہوگی۔ اس میں سلطانہ (سلطان) کو ایک مال گاڑی کا دھوکہ دیا گیا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی تھی کہ ایک مال گاڑی آرہی ہے جس میں قیمتی مال ہے لیکن مال کی جگہ ترپالوں کے نیچے فوج اور پولیس کے سپاہی چھپے ہوئے تھے اور ایک مشین گن بھی تھی۔ یہ بالکل سچا واقعہ تھا۔

کیننگٹن نے شکورے کو قیمتی مال کی لاری کا دھوکہ دینے کی سکیم بنائی اور دلیپ کو ایک گھوڑی دے کر بھیج دیا گیا۔ توقع تھی کہ دلیپ اگلی شام نہیں تو اس سے اگلی شام واپس آجائے گا اور یہ اطلاع لائے گا کہ وہ شکورے کو دھوکہ دے آیا ہے اور شکورا لاری کو لوٹنے کے لئے راستے میں گھات میں ہوگا مگر دلیپ تیسرے دن بھی واپس نہ آیا۔

میرا تھانہ قلعہ نما تھا۔ دیواریں زیادہ اُونچی نہیں تھیں۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ ڈی۔ ایس۔ پی ڈاک بنگلے میں تھا۔ میں اور دونوں ہندوستانی انسپکٹر تھانے کے صحن میں بیٹھے ہوتے تھے۔ کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ یہ ایک بنڈل تھا جو کسی نے پچھواڑے کی دیوار کے اُوپر سے پھینکا تھا۔ اُدھر ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی جو بہت دُور نکل گئی۔ ایک کانسٹیبل نے بنڈل اُٹھا کر ہمیں دیا۔ کھول کر دیکھا۔ اس میں دلیپ کا سر تھا۔ گردن شہ رگ کے نیچے سے کاٹ کر جسم سے کھوپڑی الگ کی گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منہ بند تھا اور چہرہ دُھلا دُھلایا تھا۔

ہم تینوں انسپکٹر یہ سر اُٹھاتے ہوئے ڈاک بنگلے میں گئے اور سرڈی۔ ایس۔ پی کے آگے رکھ دیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی مہت دیر اسے دیکھتا رہا، پھر اُس نے انگریز انسپکٹر سے کہا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ڈاکو اس قدر ہوشیار اور چوکس ہے۔ یہ تو کبھی بھی پتہ نہ چل سکا کہ شکورے کو دلیپ پر کس طرح شک ہو گیا تھا کہ وہ اُسے دھوکہ دے رہا ہے۔ شکورے نے انگریز ڈی۔ ایس۔ پی اور اُس کی پارٹی کو دلیپ کے سر کی صورت میں بڑا دلیرانہ جواب دیا تھا۔

ڈی۔ ایس۔ پی کیسنگٹن اپنی پارٹی کے ساتھ واپس چلا گیا۔ پولیس نے اُس گاؤں پر اجتماعی جرمانہ کیا جہاں اُس وقت شکورا ٹھہرا ہوا تھا جب سریش اُس کے پاس گیا تھا۔ دو اور گاؤں پر اجتماعی جرمانے ہوئے۔ سی۔ آئی۔ اے شکورے کے تعاقب میں رہی اور تین مہینے گزر گئے۔ اُس کے متعلق کوئی نہ کوئی بات مجھ تک پہنچتی رہتی تھی۔ ایک بار پتہ چلا کہ شکورے کا ایک ساتھی کسی تھانے میں پکڑا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ شیاما اور شکورے میں اتنی زیادہ محبت ہو گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہی نہیں۔

شیاما کو شکورے نے گھوڑ سواری سکھائی۔ پستول چلانا سکھایا اور اسے ڈاکہ زنی کی بھی تربیت دی۔ اسے وہ شہزادی بنا کر رکھتا تھا یہ بھی پتہ چلا کہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل میں سیر سپاٹے کے لئے نکل جاتے تھے۔ آخر شیاما ہی اس کی اور اپنی موت کا باعث بنی۔ رات کو دونوں شراب پی کر جنگل کو نکل گئے۔ ایک نمبردار نے قریبی تھانے میں اطلاع دے دی۔ تھانیدار نے فوری کارروائی کی اور رائفلوں سے مسلح گارد لے کر پہنچ گیا۔ شکورا اور شیاما دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ چاندنی رات تھی۔

تھانیدار نے اپنی پارٹی کو پھیلا دیا اور دونوں کو گرفتاری کے لئے للکارا۔

میں بعد میں اس تھانیدار سے ملا تھا۔ اُس نے بتایا کہ دونوں بھاگے نہیں۔ شکورے کے پاس رائفل تھی اور شیاما کے پاس پستول تھا۔ دونوں نے گھوڑے دوڑا دیئے مگر بھاگے نہیں۔ وہ گھوڑے گھماتے رہے اور فائر کرتے رہے۔ دو کانسٹیبل مارے

گئے۔ دو تین زخمی ہوئے۔ آخر شکورے کو گولی لگی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ شیاما نے اسے گرتے دیکھا تو اپنا گھوڑا اُس کے قریب لے آئی اور اُس کے گرد گھوڑا گھما پھرا کر فائر کرتی رہی۔ وہ بڑی تیزی سے اپنا پستول "ری لوڈ" کرتی تھی۔ اس نے کسی کو شکورے کی لاش کے قریب نہ آنے دیا۔ آخر وہ بھی گولی کھا کر گری۔ وہ فوراً ہی مر گئی۔ اُسے ایک نہیں تین گولیاں لگی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com